ماہنامہ
قلندر شعور
جنوری ۲۰۲۵ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

"کائنات کی ساخت"

صفحہ نمبر : 10

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رب راضی سب راضی

جلد 12 شمارہ 12 | جنوری 2025ء | رجب ـــ شعبان 1446ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ـــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 130 روپے.....سالانہ ہدیہ 1944 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 75 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۲۹ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ______ سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ 6

نعت رسول مقبول ﷺ ______ مولانا جلال الدین رومیؒ 7

منقبت بحضور قلندر بابا اولیاؒ ______ شعرا کرام 8

آج کی بات ______ مدیر مسئول 10

فقیر کی ڈاک ______ ادارہ 14

نامے میرے نام ______ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 18

ہمدمِ دیرینہ ______ سید نثار علی بخاری 23

کائناتی فارمولے ______ (M.Sc. Botany) خالدہ زبیر 29

بات وقت کی ہے ______ افشاں ادریس 33

نظر باہر نہیں اندر دیکھتی ہے ______ (M.A. Fine Arts) حامد ابراہیم 37

نقطہ ـــ؟ ______ (M.A. IR) نادیہ افتخار 43

اچھی فریکوئنسی ______ (M.Sc. Zoology) زاہدہ تبسّم 49

کاغذ کا چھتّا ______ محمد احمد خان 53

میں نے کیا سنا؟ | آنکھیں ہیں کہ قندیل میں جلتا ہے چراغ ______ عرفانہ شہزاد 59

الہامی صلاحیت ________ محمد عثمان 63

مثنوی مولانا رومؒ | دنیا ایک ساعت ہے ________ مترجم: قاضی سجاد حسین 73

فریب یا حقیقت—؟ ________ اظہر حسین 77

مشک کی خوش بو ________ عبداللہ 83

نومبر 2024ء کے سرورق کی تشریح ________ قارئین 87

تصویریں رنگ ہیں ________ ملک محمد ناصر 91

اقتباسات ________ خواتین و حضرات 97

کورشِ اعظم ________ (M.Sc. Applied Physics) محمد عدنان خان 99

بیوٹی پارلر ________ (M.A. Sociology) نفیسہ شاکر 107

مفت بجلی ________ خورشید احمد 111

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ________ عظیمی خواجہ شمس الدین 117

125 Bibi Anuradha (UAE) ________ A Caterpillar's Journey

126 Uzair Anees ________ Flask of Dust

132 Chief Editor ________ Every Spiritual Student is Not a Seeker

136 K. S. Azeemi ________ Message of the Day

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ

حمد باری تعالیٰ

یقیں دانم دریں عالم کہ لا معبود الّا ھُو — ولا موجود فی الکونین لا مقصود الّا ھُو
چو تیغِ لا بدست آری بیا تنہا چہ غم داری — مجو از غیرِ حق یاری کہ لا فتاح الّا ھُو
بہ لالالا ہمہ لا کُن بگو اللہ واللہ جو — نظر خود سوئے وحدت کُن کہ لا مطلوب الّا ھُو
ھوالاول ھوالآخر ظہور آمد تجلّی او — بذاتِ خود ہویدا حق کہ لا فی الکون الّا ھُو
ھو الھُو ھُو، ھو الحق ھُو، ندانم غیر الّا ھُو — ھو الھُو ھُو، ھو الحق ھُو، نخوانم غیر الّا ھُو
یکی گویم، یکی جویم، یکی درِ دل چو گُل رویم — ہموں یک را بہ یک پویم نہ پویم غیر الّا ھُو
بگرد عالم چو گر دیدم ھو الحق ھُو پسندیدم — یکی خوانم یکی دیدم ندیدم غیر الّا ھُو
منم غم خوارِ خود ہستم بجز یاھُو نہ دردستم — دل و جاں را بہ ھُو بستم نہ بستم غیر الّا ھُو

ترجمہ

یقین ہے کہ کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود اور موجود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی مقصود ہے۔ اے انسان! جب تو نفی اثبات کی تلوار رکھتا ہے تو تجھے کیا فکر ہے۔ اللہ کا دوست بن کہ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ تین مرتبہ لا الہٰ کی "لا" سے ہر چیز کی نفی کر، اللہ کو پکار اور اللہ کو تلاش کر، نظر وحدت پر رکھ کیوں کہ اس کے سوا کوئی مطلوب نہیں۔ وہی اوّل ہے، وہی آخر ہے، حق اپنی ذات کے ساتھ خود ظاہر ہے۔ وہی ھُو ھُو ہے، وہی حق ھُو ہے، میں ھُو کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ وہی ھُو ھُو ہے، وہی حق ھُو ہے، میں ھُو کے علاوہ کچھ نہیں پڑھتا۔ میں ایک ہی کو پکارتا ہوں، ایک ہی کو ڈھونڈتا ہوں، ایک ہی کو دل میں پھول کی طرح بساتا ہوں۔ میں نے سارے جہان کی سیر کی، اِس میں اُسی حق ھُو کو پسند کیا۔ میں نے ایک ہی کو پکارا، ایک ہی کو دیکھا، اُس کے سوا کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے دل وجان کو ھُو کے ساتھ وابستہ کرلیا ہے۔

مولانا جلال الدین رومیؒ

نعت رسول مقبول ﷺ

سید و سرور محمدؐ نورِ جاں
مہتر و بہتر شفیعِ مذنباں

چوں محمدؐ پاک شد از نارو دود
ہر کجا رو کرد وجہہ اللہ بود

شہبازی لامکانی جانِ او
رحمۃ للعالمین در شانِ او

مہترین و بہترین انبیا
جز محمدؐ نیست در ارض و سما

عشق بشگافد فلک را پاک جفت
بحرِ عشق او خدا ”لولاک“ گفت

ہمچنان کہ این جہان پیشِ نبیؐ
غرق تسبیح است و پیشِ ما غبی

او شفیع است این جہان و آن جہان
این جہان ذی دین و آنجازی جنان

از درم ہا نام شاہان برکنند
نام احمدؐ تا ابد بر می زنند

ترجمہ

ہمارے سردار خاتم النبیین حضرت محمدؐ کائنات کی جان اور نور ہیں۔ آپؐ گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ آپؐ کائنات کی مصفّا ترین ہستی ہیں۔ آپؐ کا حکم، حکمِ خداوندی ہے۔ آپؐ کو عرشِ معلیٰ پر معراج کرائی گئی۔ رسول اللہؐ دونوں جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ آپؐ انبیا کرام علیہم السلام کے سردار امام الانبیا ہیں۔ آپؐ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ عشق کی وجہ سے خالقِ کائنات نے ”لولاک“ فرمایا۔ یہ جہاں آپؐ کی مدحت میں مصروف ہے۔ آپؐ وہ عظیم ہستی ہیں جو دونوں جہاں میں شفاعت کرنے والی ہیں۔ دنیوی سکّوں سے بادشاہوں کے نام ہٹا دیے جاتے ہیں لیکن خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے اسمِ مبارک کا سکّہ قیامت تک رہے گا۔

راغبؔ مراد آبادی

علم کا مہرِ درخشاں

مالکِ دولتِ عرفاں ہیں قلندر باباؒ
حق پرستوں میں نمایاں ہیں قلندر باباؒ

جو ہوا آپ سے منسوب عظیمی ٹھہرا
فیض کا ابرِ گُل افشاں ہیں قلندر باباؒ

مل کے یہ راز کھلا حضرت شمس الدین سے
علم کا مہرِ درخشاں ہیں قلندر باباؒ

منکشف آپ پر اسرارِ شریعت بھی ہوئے
ناشرِ حکمتِ قرآں ہیں قلندر باباؒ

برخیاؔ، آپ کا نادر ہے تخلص بخدا
منفرد شاعرِ فن داں ہیں قلندر باباؒ

کیوں نہ ہوں فنِ رباعی میں بھی آپ اپنی مثال
فیضیاب درِ یزداں ہیں قلندر باباؒ

دل سے آواز یہ آتی ہے مرے اے راغبؔ!
سایۂ رحمتِ یزداں ہیں قلندر باباؒ

محمد اویس الحسن خان
(ڈپٹی رجسٹرار،
اسلام آباد ہائی کورٹ)

لامکانی رازداں

رونقِ بزمِ جہاں، سطوتِ کون و مکاں
لامکانی رازداں، تکوین کا سرِّ نہاں
بے شک و بے گماں، بابا قلندر اولیاؒ

اے کہ بحرِ بیکراں، صدرالصدورِ دو جہاں
ابدالِ حق، حق کا نشاں، لوح و قلم تیرا بیاں
بے شک و بے گماں، بابا قلندر اولیاؒ

نغمہ سنج و نغمہ خواں، عندلیب و قمریاں
نسبت سے تیری سج گیا سارا عظیمیؔ گلستاں
بے شک و بے گماں، بابا قلندر اولیاؒ

ہر سو منادی ہے تری، ہر سو ہی چرچا ہے ترا
خوش تر خصال و خوش جمال و پاک طینت مہرباں
بے شک و بے گماں، بابا قلندر اولیاؒ

میرے لئے کچھ بھی نہیں، باغِ ارم بھی بخدا
میرے لئے کوچہ ترا، رشکِ زمین و آسماں
بے شک و بے گماں، بابا قلندر اولیاؒ

آج کی بات

اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اس لئے تخلیق کیا تا کہ وہ پہچانا جائے۔ پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ کائنات کے تخلیقی عناصر اور کائنات میں موجود تمام مخلوقات کی نوعیں اور افراد کا علم جاننے والا کوئی ہو۔ اس شعبے کو پُر کرنے کے لئے اللہ نے کائنات کے انتظامی امور انسان کو سکھا دیے۔ چوں کہ یہ علوم براہِ راست خالق کے تخلیقی فارمولوں سے متعلق ہیں اس لئے انسان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی ہوگئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی نیابت و خلافت کے منصب پر فائز کر دیا تو یہ بات ازخود یقینی ہوگئی کہ اللہ کے بنائے ہوئے تمام کائناتی شعبے اور ان شعبوں میں انسان کو تصرف کا حق حاصل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کی روشنی میں انسان کو کائناتی نظام متحرک اور قائم رکھنے کا اختیار تفویض کیا ہے۔ نیابت کا یہی اختیار ہے جس کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کہا ہے۔ نیابت کے تذکرے میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ کائنات کی بنیادی حیثیت کو سمجھا جائے۔ کائنات جن اصولوں، قاعدوں اور فارمولوں پر تخلیق کی گئی ہے، جن قاعدوں، ضابطوں اور مقداروں پر کائنات چل رہی ہے، ان سب امور کے یکجائی پروگرام کا نام تکوین ہے۔ جس طرح کسی ملک کے انتظامی شعبوں کو Administration کہا جاتا ہے، اسی طرح کائناتی نظام کو تکوین کہا جاتا ہے۔

حکمتِ تکوین پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات لا محالہ زیرِ بحث آجاتی ہے کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔ روحانیت کے ماہرین کا کہنا ہے کہ کائنات کی تشکیل چار شعبوں پر مشتمل ہے۔ کائنات کا پہلا مرحلہ اس طرح وجود میں آیا کہ کائنات کی موجودگی میں وسائل کا دخل نہیں ہے۔ بغیر اسباب و وسائل کے افرادِ کائنات کی موجودگی کے شعبے کو ابداء کہتے ہیں۔ یہ کائنات کا آغاز بھی ہے اور کائناتی انتظام کا پہلا شعبہ بھی ہے یعنی کائنات کی موجودگی

اس طرح وقوع پذیر ہوئی کہ وسائل زیرِ بحث نہیں آئے۔ اللہ نے ”کُن“ فرمایا تو کائنات وجود میں آگئی۔ عالمِ موجودات میں شکل و صورت، حرکت و سکون کی طرزیں نمایاں ہوئیں اور زندگی کے مراحل وقوع میں آنا شروع ہوئے تو تکوین کا دوسرا شعبہ بنا۔ اس شعبے کا نام (خلق) ہے۔ تکوین کا تیسرا شعبہ (تدبیر) ہے جس میں موجودات کی زندگی کے تمام اعمال و حرکات ترتیب (زمان و مکان) کے ساتھ قائم ہوگئے۔ چوتھا شعبہ (تدلّٰی) ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ افرادِ کائنات میں انتظامی امور کے تحت قضاو قدر کی حکمت اور فیصلے مرتب ہوگئے۔

خلاصہ (Summary)

پہلا شعبہ جہاں تکوین کا آغاز ہوا، یہ ہے کہ ساری کائنات وجود میں آگئی یعنی اسباب و وسائل کے بغیر موجود ہوگئی جب کہ مشاہدہ یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر وسائل کے وجود میں نہیں آتی۔ زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ایجادات اور تخلیقات اور نئی نئی چیزوں پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ایک چیز بھی نظر نہیں آتی جہاں وسائل کی محتاجی نہ ہو لیکن خالقِ کائنات کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسباب و وسائل کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے ارادے و اختیار سے ازخود وسائل مہیا ہوجاتے ہیں اور یہ وسائل کائناتی خط و خال اختیار کر کے مظہر بن جاتے ہیں۔

دوسرا شعبہ یہ ہے کہ کائنات کے افراد کو اس بات کا علم حاصل ہوا کہ ان کے اندر حرکت و سکون ہے اور کائنات میں ہر فرد شکل و صورت کا محتاج ہے۔ دوسرے شعبے میں کائنات میں حرکت کا آغاز ہوا۔ کائنات جب بغیر وسائل و اسباب کے موجود ہوئی تو اس کے اندر حرکت و سکون کی طرزیں نہیں تھیں اور نہ ہی کائنات کے افراد خود سے واقف تھے۔ حیرت کا عالم تھا اور بس! دوسرے شعبے میں جب کائنات میں حرکت کا آغاز ہوا تو موجودات کی زندگی میں ترتیب واقع ہوئی اور موجودات نے یہ جان لیا کہ میری ایک انفرادی حیثیت ہے۔ جب موجودات کے علم میں یہ بات آگئی کہ اس کی انفرادی حیثیت ہے، اس کے اندر حرکت و سکون کی طرزیں موجود ہیں تو وہ اس بات سے بھی واقف ہوگئیں کہ زندگی ایک

ایسے دائرے میں بند ہے کہ جہاں وہ قضاوقدر کے فیصلوں کی محتاج ہیں۔

••―――――――••

تکوین (Administration) کے چار شعبے ہیں۔

① وسائل کے بغیر تخلیق ② حرکت کا آغاز

③ ترتیب اور خود شناسی ④ مخلوق قضاوقدر کے فیصلوں کی محتاج ہے

آدم کو تکوین کے چار شعبوں کا علم اس لئے عطا کیا گیا ہے کہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے اپنے فرائض پورے کر سکے اور کائناتی امور کو چلا سکے۔ انسانی علوم اور اللہ تعالیٰ کے علوم میں یہ واضح فرق ہے کہ انسان جب نائب کی حیثیت سے تکوینی نظام کو چلاتا ہے تو وہ اسباب و وسائل کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو تخلیقات وسائل کے بغیر عمل میں آجاتی ہیں اور قضاوقدر کے فیصلے مدوّن ہو جاتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ عطا کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کائنات میں واحد فرد ہے جو بحیثیت نائب کے، اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات کو اور کائنات میں موجود انتظامی امور کو تفویض کردہ اختیارات سے چلاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی حاکمیت (فی الارضِ خلیفہ) عطا کر دی ہے۔ حاکمیت کا وصف ہی دراصل نیابت و خلافت کے تقاضے پورے کرتا ہے اور جس طرح دنیاوی Administration میں بے شمار لوگ اپنے اپنے شعبوں کو چلاتے ہیں، اسی طرح کائنات میں بھی مختلف شعبوں کے سربراہ ہوتے ہیں اور ان کی سربراہی میں کائناتی شعبے متحرک ہیں۔

مجھ عاجز بندے (عظیمی) نے ”لوح وقلم“ کا املا کرتے ہوئے ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو نیابت و خلافت عطا کر دی تو انسان اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں کس طرح تصرف کرتا ہے اور جب کائنات پہلے سے موجود تھی اور قضاو قدر کے فیصلے مدوّن ہو چکے تھے، افرادِ کائنات حرکت و سکون کی طرزوں سے واقف ہو گئے تو پھر انسان نائب کی حیثیت سے کیا کام کرتا ہے؟

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا،

”کائنات مسلسل تخلیق پذیر ہے۔ ہر آن ہر لمحے نئے نئے سیارے بنتے ہیں اور پرانے سیارے ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندے جو نیابت کے فرائض انجام دیتے ہیں، ان امور کی نگہبانی کرتے ہیں۔ ان کی duty یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کائناتی تخلیق میں کوئی نئی تخلیق کرنا چاہتے ہیں تو اپنے نائب حضرات کی ڈیوٹی لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے موجودات کی زندگی کے اسباب و وسائل، شکل و صورت، حرکت و سکون کی طرزیں متعین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ اس کو Administration کی زبان میں یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نائبین پالیسی بناتے ہیں۔ اس پالیسی کو اللہ تعالیٰ اگر قبول فرمالیں تو انتظامی امور چلانے والے دوسرے بے شمار افراد اس نظام پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ تکوینی امور میں نائبین کے ساتھ فرشتے بھی کام کرتے ہیں لیکن فرشتوں کو ذاتی اختیار نہیں ہوتا۔ آدم بحیثیت فی الارضِ خلیفہ، اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات کا حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیارات سے وہ کائنات کی حرکات و سکنات کو ایک ترتیب اور معین مقداروں کے ساتھ قائم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اپنی نیابت و خلافت سونپی تو نیابت اور خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے کائنات کی ساخت اور کائنات کی حرکات و سکنات اور کائنات کی زندگی سے متعلق تمام اسرار و رموز اسے سکھا دیے۔“

”اور ہم نے آدم کو علم الاسماء سکھایا۔“ (البقرۃ: ۳۱)

••————————••

محترم خواتین و حضرات ! ”آج کی بات“ کے عنوان سے آپ نے روحانیت کے پلیٹ فارم سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی۔ التماس ہے کہ تحریر پڑھنے کے بعد دماغ میں متحرک رموز کے بارے میں ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے صفحات حاضر ہیں۔

اللہ حافظ

خواجہ شمس الدین عظیمی

فقیر کی ڈاک

عبدالقیوم عظیمی صاحب نے 1963ء میں ڈھاکا، سابقہ مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش سے ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی خدمت میں خط ارسال کیا۔ حضور بابا صاحبؒ کے جواباً مکتوبِ گرامی میں خواب کی تعبیر سے منسلک حصہ "ماہنامہ قلندر شعور" کے قارئین کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔

برادر بجان برابر — السلام علیکم و رحمۃ اللہ،

ہم لوگ آپ کے لئے دست بدعا ہیں۔ آپ کا مرسلہ منی آرڈر مبلغ پچاس روپے کا وصول ہو گیا۔ اطلاعاً عرض ہے، میں نے (عظیمی صاحب) آپ کے دونوں خطوط نمبر 55 اور 56 مرشد کریم ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کو پڑھ کر سنائے۔ حضرت نے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا، من و عن تحریر کر رہا ہوں۔ آپ کے خوابوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

کائنات میں ہر چیز کی ذات ہے اور وہی حقیقی ہے، خواہ وہ ذرّے میں ہو یا انسان میں۔ اس کی دو طرزیں ہیں۔ ایک طرز فکر محسوسیت کے دائرے میں عمل کرتی ہے اور دوسری ورائے محسوسیت میں یا حقیقت میں عمل کرتی ہے۔ حقیقت میں جو عمل ہے، وہی فعال ہے۔ وہی تخلیق کرتا ہے۔ اس کی تخلیقات کس قدر ہیں، اس کی تفصیلات قرآن پاک میں جابجا بیان ہوئی ہیں۔

جب قرآن پاک پڑھیں تو تھوڑا سا پڑھیں اور بہت غور و فکر کے ساتھ پڑھیں یعنی زیادہ سے زیادہ وقت لگا کر۔ ضروری ہے کہ قرآن پاک کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کا ادراک ہونا چاہئے۔ قرآن کریم میں زیادہ تر عربی کے الفاظ جو اردو میں بڑی حد تک مانوس ہیں،

آپ ان کی حدود میں اور ان کی گہرائی میں غور کرنے کی عادت ڈالیں۔

اب محسوسیت کا مسئلہ باقی رہا۔ یہ زوائد میں سے ہے۔اس کی تشریح مختصراً اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جس صلاحیت کو آپ develop کرلیں اور جتنا کرلیں، اتنا کام کرتی ہے۔ جو شخص انجینئر ہونا چاہے، ہو جاتا ہے اور جس درجہ کا ہونا چاہے، ہو جاتا ہے۔ اگر بہت کوشش کرے تو بہت اچھا ہو جائے گا، نہیں تو معمولی فنکار رہ جائے گا۔ اس طرح آدمی اپنی صلاحیتوں کی حقیقت اور مکمل کارکردگی سے بے خبر رہتا ہے۔ وہ اپنی ذات کا کوئی جائزہ نہیں لے سکتا۔ یہ نہیں جان سکتا کہ اس کی ذات کہاں تک محیط ہے۔

یہ انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے کہ اس نے محسوسیت کو medium بنا رکھا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے استعمال کرے اور جتنا زیادہ چاہے استعمال کرے البتہ یہ بہت بڑا سقم ہے کہ وہ اس پر ہی اپنی ذات کو منحصر کردے۔ جب ذات کو محسوسیت پر منحصر کر دیا جائے گا تو ذات بالکل معطل ہو جائے گی اور انسان محسوسیت کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گا۔ اب محسوسیت کھلونے کو توڑ دے یا محفوظ رکھے، یہ اس کی مرضی ہے۔

فی الواقع غلامی کو ساری دنیا برا سمجھتی ہے لیکن تمام نوعِ انسانی نے محسوسیت کی غلامی کا طوق فخریہ اپنے گلے میں پہن رکھا ہے۔خواب اور خیال سے فائدہ نہ اٹھانے کا اصل سبب یہی ہے۔

بات یہ ہے کہ خواب ورائے محسوسیت سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اسے محسوسیت ناپسند کرتی ہے اور جب یہ انسان کی زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح بیداری کا عمل دخل ہوتا ہے تو محسوسیت ہر طرح کی رکاوٹ ڈالنے لگتی ہے اور ہر دروازے میں دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے تاکہ ورائے محسوسیت عملی زندگی میں داخل نہ ہو سکے۔ انسان محسوسیت کے ذریعے ہی کسی چیز کو دیکھتا، سنتا، سمجھتا ہے۔ چنانچہ جب ورائے محسوسیت کے ذریعے کوئی چیز زندگی میں داخل ہونا چاہتی ہے تو محسوسیت اس چیز کی صورت مسخ کر دیتی ہے۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کے قریب جانے کی بجائے اس سے دور بھاگتا ہے اور وہ چیز common sense نہیں رہتی بلکہ

proper sense بن جاتی ہے۔ کامن سینس کا مطلب یہ ہے کہ سب انسان اس کو دیکھیں، چھوئیں اور یکساں طریقے پر سمجھیں۔ اور پراپر سینس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اس کو دیکھ رہا ہے، سمجھ رہا ہے، چھو رہا ہے اور دوسرا شریکِ عمل نہیں ہے۔ یہاں سے ورائے محسوسیت کی قیمت ختم ہوگئی اس لئے کہ نوع قیمت نہیں لگاتی، فرد قیمت لگاتا ہے۔ فرد کا قیمت لگانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہوا کہ فرد کی نگاہ میں بھی محسوسیت نے ورائے محسوسیت کی شکلیں مسخ کر کے پیش کیں تاکہ وہ سمجھے کہ یہ بات واقعاتی نہیں تھی، فضول تھی۔ اس پر اعتماد نہ کرے اور فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اندازہ لگایئے جو خواب انسان دیکھتا ہے اور جو خیال انسان کے ذہن میں آتا ہے، وہ کس قدر مسخ اور کتنا بگڑا ہوا ہوتا ہے۔

جس گم شدہ نوجوان کے بارے میں آپ نے معلوم کیا ہے، وہ یورپ میں ہے، زندہ ہے لیکن اس کے مالی حالات اچھے نہیں۔ غالباً وہ اگلے سال تک وطن واپس آجائے گا۔ اس نے گھر سے جس طرح کی لاتعلقی اختیار کرنا چاہی تھی، وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہی اسباب اس کو وطن واپس لے آئیں گے۔ آپ اتنی ہی بات ان حضرات کو بتا دیں۔

درجہ بدرجہ سب کو سلام و دعا

قلندر حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؔ

مرشد کریم حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؔ قلندر بابا اولیا ابدالِ حق خیریت سے ہیں اور آپ کے لئے دعا فرماتے ہیں۔

احمد شمس الدین

13 اکتوبر، 1963ء

آؤ قرآن پڑھیں

"ہم نے اس قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا۔ ہے کوئی سمجھنے والا؟" (القمر: ۱۷)

قرآن کریم جس زبان میں نازل ہوا ہے، اس زبان میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو لاشعور سے مفہوم کھلتے ہیں۔ عربی کے بہت سے الفاظ ہیں جو اردو زبان میں بولے جاتے ہیں۔
آیئے تلاش کرتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں عربی کے کتنے الفاظ اردو زبان میں شامل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العٰلمین ۞۱ الرحمٰن الرحیم ۞۲ مٰلک یوم الدّین ۞۳

ایاک نعبد و ایاک نستعین ۞۴ اھدنا الصراط المستقیم ۞۵

صراط الذین انعمت علیھم ۞ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ۞۷

اردو میں مستعمل الفاظ: حمد، اللہ، رب، عالمین، رحمٰن، رحیم، مالک، یوم، دین، صراط، مستقیم، انعمت، غیر، مغضوب۔

سورۂ فاتحہ کی آیات میں 27 الفاظ ہیں۔ ان میں 14 الفاظ اردو زبان میں بولے جاتے ہیں۔

قارئین! ہم نے سورۂ فاتحہ سے ابتدا کی ہے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھایئے اور سورۂ بقرۃ کے پہلے رکوع میں اردو میں استعمال ہونے والے الفاظ لکھئے۔

نامے میرے نام

"ماہنامہ قلندر شعور" نے قارئین خواتین و حضرات کو رسالے کے پلیٹ فارم سے تفکر کی دعوت دی ہے۔ رابطے کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط شائع کئے جا رہے ہیں۔ ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" کا قارئین کے تفکر سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

نومبر 2024ء کے "آج کی بات" پر موصول تفکر نامے میں سے منتخب خطوط:

◈ صفیہ شاہد (برسٹل۔ برطانیہ): "آج کی بات" ذہن کی زمین کے لئے پانی ہے۔ ذہن جب پانی کو جذب کرتا ہے تو پھول پھلواری ظاہر ہوتی ہے۔ نومبر 2024ء کے اداریہ میں مثالوں کے ذریعے بہترین طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔ میں یہ سمجھی ہوں کہ تخلیق کا مادہ، اصول، طریقہ اور تقاضے مشترک ہیں لیکن مقداروں نے زمین کو رنگوں کی طلسم گاہ بنا دیا ہے۔ آپ نے انسانی جسم کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ایک خلیے کا ضرب در ضرب پھیلاؤ ہے۔ سائنس کہتی ہے کہ انسانی جسم لگ بھگ 37 کھرب خلیات سے مرکب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ خود کو اور اپنی برادری کے لوگوں کو دیکھنے کے لئے مادی نگاہ کی اسپیس 37 کھرب مرتبہ تقسیم ہوتی ہے۔

◈ عماد الحق (کراچی): خلیہ ضرب در ضرب ہو کر اربوں خلیات میں تقسیم ہوتا ہے لیکن ہر خلیے کا اپنے سے پہلے خلیوں سے ربط رہتا ہے۔ یوں ہر نوع ایک پرنٹنگ پریس ہے۔ خلیے جس ترتیب میں چھَپتے ہیں، اس سے شکلیں مختلف ہو جاتی ہیں لیکن پریس مشین کی ڈائی ایک رہتی ہے۔

◈ زوبیہ علیم (ابوظہبی): "آج کی بات" ایک بار پڑھنے سے سمجھ میں نہیں آتا۔ جب ہم ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھتے ہیں اور الفاظ سے مانوس ہوتے ہیں پھر سمجھ میں آتا ہے۔ ایسے میں ہمارا سمجھنا کیا ہوا۔۔۔؟ ہم نے "آج کی بات" کو سمجھا یا اپنے ذہن کے سمجھنے کو سمجھا۔۔۔؟

◈ مومنہ علی (حیدر آباد): ہمارے خاندان کی خواتین بریانی بناتی ہیں۔ مسالا ایک ہونے کے باوجود سب کے ہاتھ کا ذائقہ الگ ہے۔ بریانی کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ کس نے بنائی ہے۔ جب میرا موڈ خراب ہوتا ہے تو امی کہتی ہیں کہ اپنی الجھن کھانے میں شامل کر کے گھر والوں کو پریشان مت کرو۔ ذائقہ مسالے کا ہوا یا بنانے والے کے ہاتھ اور ذہن کا؟ کیا ہم یہ سمجھیں کہ ذائقے کو مسالوں سے منسوب کرنا الوژن ہے یا ذائقہ مسالوں کی ترتیب میں ہے؟

◈ رفاقت حسین (ٹورنٹو۔کینیڈا): بچپن سے بتایا گیا ہے کہ ہم جانوروں سے افضل ہیں۔ عمر کے اس حصے میں معلوم ہوا کہ انسان افضل ہے، آدمی افضل نہیں ہے۔ آدمی افضل ہوتا تو پرندوں، جانوروں اور حشرات الارض سے پہلے آفات کی لہروں کو محسوس کرتا، زمین کی پلیٹوں کی گڑگڑاہٹ کو سنتا۔ جانوروں کا آدمی سے سوال اور دلیل کے ساتھ جواب ہمارے لئے سوالیہ نشان ہے۔ ہم جن ایجادات پر فخر کرتے ہیں، ان میں سے بہت سی ایجادات جانوروں اور پرندوں کی نقل ہیں۔

◈ وردہ یاسر (اسلام آباد): ہم ظاہری طور پر واقف ہیں کہ کس مسالے سے کیا ہوتا ہے، لوہے کو موڑنے کے لئے کتنے درجے کی حرارت چاہئے، استری کس نمبر پر رکھنی ہے، چاولوں کا پانی خشک کرنے کے لئے آنچ کتنی تیز ہو مگر اپنی مقداروں کا علم نہیں ہے کہ خود کو جسمانی اور ذہنی طور پر صحت مند رکھنے کے لئے کن مقداروں کی ضرورت ہے۔

◈ عمیرہ (کراچی): "آج کی بات" اردو زبان کی حفاظت کا امین ہے۔ ساری عمر لفظ "خدو خال" پڑھا۔ اداریہ میں "خط و خال" لکھا تھا۔ "خط" سے مفہوم واضح ہوا، "خد" سے واضح نہیں ہوتا۔

◈ عائشہ مختار (شہر کا نام نہیں لکھا): ہر لفظ اپنی ابتدا و انتہا کے ساتھ موجود ہے۔ محترم عظیمی صاحب نے پانی اور مٹی کی مثال دی کہ دونوں کی ابتدا روشنی اور انتہا رنگ ہے۔ رنگ اور روشنی کے معین مقداروں کے ساتھ غالب مغلوب ہونے سے تخلیق ہوتی ہے۔ فارمولے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ پانی بھی روشنی ہے، مٹی بھی روشنی ہے اور رنگ بھی روشنی ہے۔ روشنی — رنگ میں ظاہر ہو کر کوئی تخلیق بن جاتی ہے۔ رنگ، پانی اور مٹی کے ملنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

نومبر 2024ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

◈ ذہین طارق (بحرین): ”آج کی بات“، ”فقیر کی ڈاک“، ”نامے میرے نام“ اور ”خواب تعبیر اور مشورہ“ میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ ”فقیر کی ڈاک“ پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ خط کا جواب میرے لئے لکھا گیا ہے۔ خواب کی تعبیر پڑھنے سے اصلاح ہوتی ہے اور گہری باتیں سامنے آتی ہیں۔ بعض خوابوں کی تعبیر حیران کر دیتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے کیوں کہ موجودہ دور میں خواب کی تعبیر بتانے والا کوئی صاحبِ علم نظر نہیں آتا۔

◈ جمشید علی (پشاور): یاحی یاقیوم کا ورد کرتے ہوئے اکثر اوقات توجہ ذکر کی طرف نہیں ہوتی جب کہ زبان مسلسل ذکر کرتی ہے۔ تعداد کی اہمیت ہے یا توجہ کی—؟ کسی وجہ سے توجہ ہٹ جائے لیکن زبان پر ورد جاری ہو تو کیا ایسی صورت میں ذکر سے فائدہ ہوتا ہے؟

◈ ثمینہ فیصل (لاہور): نومبر 2024ء کا ”فقیر کی ڈاک“ بار بار پڑھا۔ لگتا ہے کہ یہ خط ہم سب کے لئے ہے۔ ہم الوژن میں گرفتار ہو کر حقیقت کی نفی کر دیتے ہیں۔ مایوسی کا جال گرفت میں لے لیتا ہے۔ تین چار سال پہلے کے ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے ایک مضمون میں پڑھا تھا کہ اللہ کی نشانیوں پر تفکر کرنے سے یقین کی مقداریں غالب ہوتی ہیں اور ناممکن نظر آنے والے کام ممکن ہو جاتے ہیں۔

◈ رابعہ پرویز (شیخوپورہ): معیار کو برقرار رکھنا مشکل ہوتا ہے لیکن ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے معیار میں وقت کے ساتھ اضافہ ہوا ہے۔ حمد اور نعت کا معیار عمدہ ہے۔ باقاعدگی سے ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی رباعیات اور تشریح پڑھتی ہوں۔ فائدہ یہ ہوا کہ جن رباعیات کی تشریح نہیں ہوئی، اب وہ بھی سمجھ میں آنے لگی ہیں۔ ایک مضمون طنز و مزاح پر بھی ہونا چاہئے، اس کی کمی ہے۔

◈ ہارون احمد (دبئی): میری دو تجاویز ہیں۔ ایک یہ کہ دیگر زبانوں کے ادب میں سے کوئی تحریر ترجمہ کر کے شائع کی جائے۔ دوسری یہ کہ ”مرشد کی باتیں“ انگریزی میں ترجمہ کر کے انگریزی کے حصے میں شائع کی جائے تاکہ وہ لوگ جو صرف انگریزی جانتے ہیں، وہ اسے پڑھ سکیں۔

◈ کوثر پروین (سکھر): سرورق کے پیچھے ”رب راضی، سب راضی“ پڑھ کر سکون ملتا ہے۔

◇ عارفہ نور (پھالیہ): نئے ناموں کا اضافہ ہو رہا ہے اور سب اچھا لکھ رہے ہیں۔ روحانی بانو کا مضمون سیر حاصل تھا۔ کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ جہاز اڑتا ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ ہم اڑ رہے ہیں۔ گاڑی چلتی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہم چل رہے ہیں۔ بی بی انورادھا کے مضامین بھی اچھے ہیں۔ سلسلے وار کہانیوں میں ”کورشِ اعظم“ بہت دلچسپ ہے۔ کورش کے کردار میں بہت جاذبیت ہے۔ قسط شروع ہوتی نہیں کہ ختم ہو جاتی ہے اور پھر ایک مہینے کا طویل انتظار۔ صفحات بڑھا دیے جائیں تو اچھا ہو۔

◇ جمال الدین (راولپنڈی): رسالے میں پڑھا کہ ”ایک نظر آنے والی شے ایک نہیں“۔ یہاں ہر شے کسی شے سے مل کر بن رہی ہے اور کسی شے میں سے ظاہر ہو رہی ہے جیسے پہلے ریڑھ کی ہڈی بنتی ہے پھر ہڈی میں سے ہڈی نکل کر جسم کی عمارت بن جاتی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کے ایک سرے سے گردن نکلتی ہے، گردن میں سے سر نکلتا ہے، سر کے دائیں بائیں کندھے ہیں، کندھوں میں سے بازو نکلتے ہیں، بازو ہتھیلی کو سہارا دیتے ہیں، ہتھیلی میں سے انگلیاں نکلتی ہیں اور انگلیوں میں سے ناخن ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر شے کسی شے پر قائم ہے۔

◇ رباب قادر (کراچی): نادیہ افتخار صاحبہ کی تحریروں میں کشش ہے۔ ان کے جملے، ”سر جھکانا خود سپردگی نہیں، دل جھکانا خود سپردگی ہے۔“ نے دریا کوزے میں بند کر دیا۔ صفحہ 45 پر پلک جھپکنے کی روحانی سائنس پڑھی۔ یہ بات کہ پلکیں زیادہ جھپکنے سے حواس کی رفتار کم ہو جاتی ہے، حیران کن ہے۔ جب نیند، بیداری اور تصور کی مثالوں پر تفکر کیا تو بات سمجھ میں آ گئی۔

◇ ثنا سلیم (ملتان): ”ماہنامہ قلندر شعور“ کی دنیا اچھی ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے آدمی اپنے غم بھول جاتا ہے۔ یہ رسالہ ہمیں محدود سوچ سے آزاد کر کے کئی درجے اوپر لے جاتا ہے۔

★ — ★ — ★

آپ کا ہر دلعزیز رسالہ ”ماہنامہ قلندر شعور“ آن لائن مطالعے کے لئے دستیاب ہے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے ڈیجیٹل ایڈیشن کی سبسکرپشن کے لئے ویب سائٹ پر موجود فارم پُر کیجئے۔ ہمارا ویب ایڈریس یہ ہے،

https://qalandarshaoormonthly.online/

دس ہزار ستارے

مخلوق کا ہر فرد جس طرح زمین کو دیکھتا ہے، اس طرح آسمان کو بھی دیکھتا ہے۔ زمین پر دیکھتا ہے تو اسے پہاڑ نظر آتے ہیں۔ زمین کے اندر دیکھتا ہے تو معدنیات کا سراغ ملتا ہے۔ ذہن پانی میں اتر جاتا ہے تو پانی کی مخلوق کا ادراک ہوتا ہے۔ کوئی صاحبِ فہم انسان پانی کی مخلوق کے بارے میں تفکر کرتا ہے تو اس کے اوپر عجائبات کی دنیا کھل جاتی ہے۔ چھوٹی مچھلی ایک انچ سے بھی کم اور بڑی وہیل، گھونگے، مرجان سیپ کے پیٹ میں موتی، Sea Food وغیرہ سمندر کی مخلوق ہیں۔

جب انسان کی نظر زمین کے گرد و نواح سے نکل کر آسمان کو دیکھتی ہے، آسمان میں دس ہزار ستاروں پر نظر پڑتی ہے تو انسان ستارے کے بشریٰ کو دیکھتا ہے۔ ستارے اس کو نہیں روکتے کہ مجھے نہ دیکھو، چاند بھی منع نہیں کرتا کہ مجھے نہ دیکھو۔ تصوف کی دنیا میں اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ کائنات میں ہر مخلوق دوسری مخلوق سے مخفی رشتے میں بندھی ہوئی ہے۔ مخلوقات کے درمیان، چاہے وہ مخلوق زمینی ہو، چاہے وہ مخلوق پانی کی ہو، چاہے وہ مخلوق ہوا کی ہو، چاہے وہ مخلوق آسمانوں کی دنیا کی مخلوق ہو، اگر مخفی رشتے میں جڑی ہوئی نہ ہوتی تو ہر آسمانی نظارہ دیکھنے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور پیدا کرتا۔ یہی مخفی رشتہ کائنات کے چھوٹے سے چھوٹے ذرّے اور بڑے سے بڑے کرے کو ایک دوسرے سے منسلک کئے ہوئے ہے۔

اس علم سے صوفی کے اوپر حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تمام کائنات ایک ہستی کی ملکیت ہے۔ اگر کائنات کے مختلف اجسام زمین، چاند، سورج، ستارے، فرشتے، جنات مختلف ہستیوں کی ملکیت ہوتے تو یقیناً ایک دوسرے کی روشناسی میں تصادم پیدا ہو جاتا۔ ایک ہستی کی ملکیت دوسری ہستی کی ملکیت سے متعارف ہونا پسند نہ کرتی۔ قرآن پاک نے ایسی مالک ہستی کا تعارف ''اللہ'' کے نام سے کروایا ہے۔

★ ★ ★ ★ ★

سید نثار علی بخاری

ہمدمِ دیرینہ

ابدالِ حق کے دیرینہ دوست محترم سید نثار علی بخاری مرحوم کے قلم سے نادر الوجود تحریر

قصبہ خورجہ میں راقم الحروف کے ننھیال کے تین مکانات تھے۔ دو مکانوں میں قلندر باباؒ کے والد ماجد سکونت پذیر تھے اور ایک مکان میں میرے ماموں زاد بھائی سید عباس علی سبزواری رہتے تھے۔ بچپن میں جب ماموں زاد بھائیوں کے یہاں خورجہ جایا کرتا تھا تو تینوں مکانوں کے چبوترے پر میں اور قلندر باباؒ ساتھ کھیلتے اور باتیں کیا کرتے تھے۔ اسی چبوترے کے بالمقابل مسجد ہے، اس کے مکتب میں قلندر باباؒ قرآن کا درس لیتے تھے۔ میں بھی قلندر باباؒ کے ساتھ مکتب پڑھنے چلا جاتا تھا۔ اس طرح میری اور قلندر باباؒ کی دوستی کا آغاز ہوا۔

بھائی صاحب قلندر باباؒ ابتدا سے اس بندۂ ناچیز کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے اور بھائی کہہ کر مخاطب کرتے۔ میں بھی آپ کو بھائی کہتا تھا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے، کبھی ہم نے ایک دوسرے کا نام لے کر مخاطب نہیں کیا۔ ایک وجہ یہ تھی کہ قلندر باباؒ کی والدہ ماجدہ، جب کبھی کھانے کے وقت ان کے یہاں ہوتا اور کھانے میں توقف اور تکلّف کرتا تو وہ فرماتی تھیں کہ تو غیر سمجھتا ہے، دونوں بھائی ساتھ کھانا کھالو۔ پھر مجھے مزید عذر کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

وقت گزرتا رہا اور ہم بڑے ہوگئے۔ قلندر باباؒ کے والد صاحب تبادلے پر بلند شہر آگئے پھر تو روزانہ ملاقات ہوتی۔ اُس زمانے میں عمر کے اعتبار سے قلندر باباؒ ادبی اور اصلاحی موضوعات پر گفتگو فرماتے تھے اور کلاس میں نہایت ذہین اور ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ خاص طور پر علمِ ریاضی کے فارمولے اختراع کرتے اور امتحانات میں ممتاز پوزیشن حاصل کرتے تھے۔ ہائی اسکول کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ان کے والد صاحب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل کروادیا۔

قلندر بابا اولیاؒ بچپن سے غیر مہذب کھیل کھیلنے اور بے تکلّف ہونے سے اجتناب کرتے

تھے۔ فطرتاً ذہین، خوش اخلاق، مہذب اور ملنسار تھے اور اچھے برے کی تمیز رکھتے تھے۔ احباب کے ساتھ اخلاق و محبت سے پیش آتے اور حسبِ استطاعت خاطر مدارات کرنے میں کوئی فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ پڑھنے کے وقت انہماک سے پڑھتے اور کھیل کے وقت لڑکوں کا کھیل دیکھتے رہتے لیکن ان کے ساتھ کھیل میں شریک نہیں ہوتے۔ کسی کی پریشانی اور تکلیف کو محسوس کرتے تو دل جوئی کرتے اور حتی المقدور ان کے کام آتے۔ ہم عمر ساتھیوں سے آپ جناب سے گفتگو کرتے۔ یہ اوصاف آپ کی ذات میں بچپن سے قدرت نے ودیعت کئے تھے جن کی وجہ سے ہم سِن آپ کا ادب و احترام کرتے تھے۔

—◎—

قضارا قلندر باباؒ کی والدہ صاحبہ کا سایۂ عاطفیت سر سے اٹھ گیا۔ پسماندگان میں چھ لڑکیاں اور دو لڑکے چھوڑے۔ ایک بہن جو قلندر باباؒ سے بڑی ہیں، ان کی شادی ہوئی تھی۔ چھوٹی بہنیں اور بھائی شیر احمد کی تربیت اور نگہداشت کی ذمہ داری خود سنبھالی اور حتی الامکان ماں کے پیار سے محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ بہنوں کی تربیت کا مسئلہ اہم تھا اس لئے والد صاحب نے آپ کی شادی کر دی۔ اس طرح بہنوں کی دیکھ بھال میں آسانی ہوگئی۔

شادی کے کچھ عرصے بعد حکومتِ برطانیہ کی برّی فوج میں جونیئر افسر کی حیثیت سے ملازمت کرلی۔ ملایا، سنگاپور کی طرف آٹھ مہینے ملازمت کی کہ بم پھٹنے کے حادثے میں آپ زخمی ہوگئے اور صحت یاب ہونے پر ملازمت ترک کر دی۔ وطن واپس آنے کے بعد اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ ہاپوڑ باغپت ضلع میرٹھ کی تحصیلوں میں رہے اور عارضی طور پر سرکاری آسامیوں پر کام کرتے رہے۔ چوں کہ یہ کام آپ کی اعلیٰ طبیعت کے منافی تھا اس لئے اس سلسلے کو بہت جلد ترک کرکے دہلی میں قیام پذیر ہوگئے اور معاش کا ذریعہ رسائل و جرائد کی صحافت اور شعرا کے دیوان کی اصلاح و ترتیب کا کام منتخب فرمایا۔ کبھی رؤسا اور امرا کی پیشکش قبول نہ کی اور نہ دولت مند بننے کی خواہش اور کوشش کی۔

سال میں ایک مرتبہ دہلی سے بلند شہر تشریف لاتے تھے اور ڈیڑھ دو مہینے غریب خانے پر قیام فرماتے۔ اس دوران میں شہر اور کبھی بیرونِ شہر شعرا و ادبا کی محفلیں جمتیں۔ صبح و شام کے اوقات

میں صوفی منش لوگ آتے اور تصوف و بزرگانِ دین اور اولیا عظام کے مکتوبات و ملفوظات پر سیر حاصل گفتگو اور تبصرے ہوتے۔ دوسروں کی باتیں اطمینان سے سنتے اور آپ کی خداداد صلاحیتِ علم سے شعرا اور ادبا مستفید ہوتے۔ اردو اور فارسی زبانوں میں اعلیٰ معیار کے شعر فرماتے تھے۔ افسوس ہے کہ کلام کا کافی غیر مطبوعہ ذخیرہ بھارت میں رہ گیا اور پیش آمدہ حالات میں ضائع ہوگیا۔ راقم کو آپ کے اشعار نویس ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ایک مرتبہ باغپت ضلع میرٹھ سے 5 دسمبر 1942ء کو قلندر باباؒ نے ایک منظوم محبت نامہ خادم کے نام ارسال فرمایا جو میں نے بطور یادگار محفوظ کرلیا۔

قلندر باباؒ فطرتاً ذہین، خوش خلق، عمیق النظر، سلیم الطبع، انسان شناس، سخن سنج، ادیب، فلسفی، اور رفیع التخیّل شاعر ہونے کے ساتھ اس فن کی جملہ اصناف کے ماہر بلکہ استادِ کامل، عروض البیان، ہندسہ، صحافت، تصوف، واقفِ دینِ مبین ،رازدارِ عشق و محبت، حاملِ علمِ لدنّی اور نہ معلوم کون کون سے علوم میں دسترس تھی۔

ایک دور ایسا بھی آیا کہ قلندر باباؒ پر جذب و استغراق کا غلبہ ہوگیا۔ اکثر اوقات خاموش رہتے اور گاہے گاہے گفتگو غیر مربوط ہوجاتی اور لباس کی تبدیلی کا بھی خیال نہ آتا لیکن یہ کیفیت زیادہ عرصے نہیں رہی۔ اس کے بعد کبھی کبھار جذب کا عالم ہوتا تو اتنے عرصے کے لئے خاموش ہوجایا کرتے تھے۔ ہم لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اس وقت باتیں نہیں کرنی چاہئیں مگر تھوڑی دیر کے بعد معمول پر آجاتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی معمولی بات پر طبیعت میں میری طرف سے تکدر پیدا ہوگیا اور قریب ایک ماہ تک ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اسی اثنا میں عید الفطر آگئی۔ عید کے مبارک موقع پر میں آپ کے مکان پر حاضر ہوا۔ وہ نظر پڑتے ہی کھڑے ہوگئے اور نہایت گرم جوشی سے محبت کے ساتھ گلے مل کر اس قدر روئے کہ چہرہ آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ میرے اندر بھی گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی بندھ گئی اور دل ایسا بھر آیا کہ جانبین کی زبان سے شکایت کا ایک لفظ نہ نکلا۔

جب گلے سے لگ گئے سارا گلہ جاتا رہا

اور ہماری دوستی پہلے سے زیادہ استوار ہوگئی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، ہماری تقریباً ستّر (70)

سالہ دوستی میں اور کوئی ناخوشگوار واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ لوگ رشک کرتے تھے اور ہماری دوستی کی مثال پیش کیا کرتے تھے۔

قلندر باباؒ احباب کو نیکی کرنے اور راقم الحروف کو خاص طور پر حلال روزی کمانے اور محتاط رہنے کی تلقین فرمایا کرتے۔ مزید برآں آپ کا مسلک محبت تھا۔ بار بار فرمایا کرتے کہ

”محبت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، اسی کی بدولت انسان کو سب کچھ ملتا ہے۔“

چناں چہ آپ کا ایک شعر ہے،

ے ہوگا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

—•◎•—

قلندر باباؒ کا پاکستان آنے کا ارادہ نہیں تھا مگر آپ کی بہنوں اور بہنوئیوں کے اصرار پر بادل ناخواستہ مع متعلقین کراچی تشریف لے آئے۔ مجھے بلانے کے لئے متعدد خطوط پاس ارسال فرمائے۔ کاروبار سمیٹ کر آنے میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے آخری خط میں تحریر فرمایا کہ بھائی! اگر تم کراچی نہیں آتے تو میں ہندوستان واپس چلا جاؤں گا۔ چناں چہ میں تعمیلِ ارشاد میں کراچی آ گیا۔

قلندر باباؒ نے لی مارکیٹ کے علاقے میں اپنے مکان سے ملحق میرے، میری ہمشیرہ اور بھانجوں کے لئے ایک مکان کرائے پر لے لیا اور ہم سب وہیں رہنے لگے۔ کچھ عرصے بعد ہم وہاں سے منتقل ہوگئے۔ میں پیر الٰہی بخش کالونی میں منتقل ہوگیا اور وہ عثمان آباد میں مکان خرید کر تشریف لے گئے۔

قلندر باباؒ روزنامہ اردو ڈان میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے فائز ہوگئے اور جب اردو ڈان بند ہوگیا تو رسالہ نقاد میں کام کرنے لگے۔ عظیمی صاحب کا معمول تھا کہ وہ رسالہ نقاد کے دفتر کے سامنے قلندر باباؒ کا انتظار کرتے تھے اور روز شام کو انہیں اپنے گھر لے جاتے تھے۔

قلندر باباؒ ہفتے کی شام میرے پاس پیر الٰہی بخش کالونی میں تشریف لاتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ اس کے بعد میں نے لیاقت آباد میں مکان تعمیر کرا لیا جس کا سنگِ بنیاد قلندر باباؒ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔

—•◎•—

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں نے قلندر باباؒ سے عرض کیا کہ مجھے بھی اپنے سلسلہ میں شامل کرلیجئے۔ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا،

”بھائی! آپ ہی تو میرے بچپن کے ساتھی اور بے تکلّف دوست ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو بیعت کروں۔ آپ مجھ سے جدا نہیں ہیں اور ارادت تو دل سے ہوتی ہے۔ بھائی! میں جانتا ہوں کہ آپ اگر 72 گھنٹے متواتر جاگ کر جو وظیفہ بتاؤں، وہ پڑھ لیں۔ پھر دیکھنا کیسے کیسے عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ انشاءاللہ برسوں کی راہ ایک ہفتے میں طے کرادوں گا۔“

بد قسمتی سے میری بہتّر (72) گھنٹے جاگنے کی ہمت نہ ہوئی اور میں نعمتِ عظمٰی سے محروم رہا۔ ویسے قلندر باباؒ کی ہمیشہ مجھ پر نظرِ کرم و التفات رہی جس کا میں ممنون ہوں۔

مجھ پر ایک دور مالی مشکلات کا کراچی میں آیا۔ قلندر باباؒ سے ذکر کیا تو انہوں نے ایک تعویذ دے کر فرمایا، اس کو جس جگہ الماری میں روپیہ رکھتے ہو، اس میں رکھ دو، انشاء اللہ الماری کبھی روپے سے خالی نہیں ہوگی۔ میں نے تعویذ الماری میں رکھ دیا۔ اس بات کو تقریباً پندرہ، سولہ سال ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک الماری روپے سے خالی نہیں ہوئی۔ جب روپیہ ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے، کہیں نہ کہیں سے آجاتا ہے۔

محمد ایوب صاحب حکومتِ پاکستان میں غالباً ڈپٹی سیکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان کو دینیات میں ریسرچ کرنے کا شوق ہوا۔ ان کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اقوال اور فرمودات پر ریسرچ کرنا تھی۔ وہ کراچی میں مشہور اور فاضل علما سے سمجھنے کے لئے گئے مگر مطمئن نہیں ہوئے۔ کسی کے ذریعے قلندر باباؒ کی بابت معلوم ہوا کہ وہ بخوبی سمجھادیں گے۔ خدمت میں حاضر ہوئے اور درس لیتے رہے۔ اس طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر بڑا کامیاب thesis لکھ کر .Ph.D میں کامیاب ہوگئے۔

ماہِ جنوری 1956ء کی کسی تاریخ میں قلندر باباؒ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ بھائی! یکم مئی 1956ء کو ایک خوش خبری سنیں گے۔ میں نے عرض کیا، اتنی طویل مدت انتظار کیوں کراتے ہیں، ابھی وہ تہنیت سنا دیجئے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ کام ہو جانے کے بعد ہی سنانا اچھا ہوتا ہے۔ چنانچہ ماہ مئی 1956ء کے اوائل میں آپ نے مژدۂ تہنیت (خوش خبری) سنایا۔

”اب میری از سرِ نو زندگی کا آغاز ہوا ہے۔ اس طرح کہ میں رتن تالاب والے مکان میں بیٹھا تھا کہ نانا تاج الدینؒ اور دیگر چند بزرگ تشریف لائے۔ ان کی آمد کی تاب بجلی نہ لا سکی۔ بلب گُل ہوگئے۔ ان بزرگوں نے فرمایا کہ عرصۂ

دراز سے یہ معاملہ زیرِ بحث تھا کہ تم کو کون سے سلسلہ سے منسلک کیا جائے، الحمدللہ، اب یہ بات طے ہوگئی ہے کہ تم کو سلسلۂ سہروردیہ میں لے لیا گیا ہے۔ یہ خوش خبری سنا کر مبارک باد دی اور ان سب بزرگوں نے میرے حق میں دعا کر کے فرمایا کہ تیرا نصیبہ بڑے حضرت جی ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ قطبِ ارشاد کے پاس ہے، وہ اسی سال کراچی میں تشریف لائیں گے، ان کے ہاتھ پر بیعت ہونا۔ میں وقتِ مقررہ پر گرانڈ ہوٹل واقع میکلوڈ روڈ کراچی بڑے حضرت جی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ دم فرمایا۔ دم فرمانے سے میرا باطن روشن ہوگیا اور عالمِ ارواح، عالمِ ملکوت و جبروت منکشف ہوگئے حتیٰ کہ تشہیدِ عرشِ اعلیٰ بھی ہوگئی۔"

قلندر باباؒ اویسیہ اور سہروردیہ سلسلہ کے علاوہ دوسرے سلسلوں سے بھی وابستہ تھے اور بڑی نسبت رکھتے تھے۔ بڑے بڑے بزرگوں سے روحانی تعلیم و فیض حاصل کیا غرضیکہ ولیِ کامل و قلندر ہوگئے اور آپ سے فیضان و تصرفات کے چشمے جاری ہوگئے۔ سادہ مگر صاف شفاف لباس زیب تن فرماتے۔ مریدوں اور ارادت مندوں کے ساتھ خلوص و محبت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ہمیشہ آپ کی فکر بلند، ارادہ راسخ اور اولوالعزمی پائی جاتی تھی۔

اے قلم ! اب زیادہ جولانیاں نہ دکھا۔ یوں لکھنے کو تو ستّر سال کے ہزاروں واقعات ہیں جن کے لکھنے کے لئے ایک ضخیم کتاب چاہئے۔ مختصر یہ کہ آپ کو مشاطِ فطرت نے خوب سنوارا تھا۔ آپ مجمع الصفات تھے اور دنیا و مافیہا کے امور میں یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کو خلافت و امامت ملنے کے بعد کے حالات و کرامات سلسلہ کے لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

قلندر باباؒ کی صحت آپ کے بڑے صاحبزادہ آفتاب احمد کے جانکاہ حادثے میں شہید ہو جانے کے صدمے سے رُوبہ انحطاط ہونا شروع ہوگئی۔ بالآخر 27 جنوری 1979ء جمعہ و ہفتہ کی درمیانی شب بوقت ایک بجے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور مالکِ حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اولیاء اللہ زندۂ جاوید ہوتے ہیں۔ اللہ جل و علیٰ کے کرم سے ان کا چشمِ فیض پردہ کرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ خداوند قدوس اس سے مستفیض ہونے کی استطاعت سلسلہ کے لوگوں اور عوام کو عطا فرمائے۔ (آمین)

خالدہ زبیر

کائناتی فارمولے

مٹی کے دامن میں پانی اور پانی میں بجلی دَور کرتی ہے۔ بجلی ایک طرف پھول اور پودوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، دوسری طرف برقی آلات میں کرنٹ بن کر دوڑتی ہے۔

کائنات راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خالص بندوں پر مشیّت کے مطابق ظاہر فرمایا ہے۔ عارف محبت اور معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو منتقل کرتے ہیں، روشنی پھیلتی ہے اور پیغامِ حق جاری رہتا ہے۔

اللہ کے دوستوں میں ایک عظیم نام "ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ" ہے۔ ان کے ارشادات اور رباعیات علم کا ناپیدا کنار خزانہ ہیں۔ قلندر بابا اولیاؒ کے انکسار کا عالم ہے کہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ دریا پی کر پیاسے ہیں اور جلوؤں کے سمندر کے طالب ہیں۔

ابدالِ حق نے نثر اور رباعیات میں کائنات کے تخلیقی نظام کی تشریح کی ہے تا کہ اہلِ ذوق اور صاحبِ دانش (scientists) متوجہ ہوں اور تخلیقات میں زندگی کے رموز تلاش کریں۔

تخلیقی رموز میں ایک راز مٹی ہے۔ ابدالِ حق نے رباعیات میں مٹی کی کیمیا کو روحانی پیرایوں میں بیان فرمایا ہے جیسے،

ساقی ترا مخمور پئے گا سو بار
گردش میں ہے ساغر تو رہے گا سو بار
سو بار جو ٹوٹے تو مجھے کیا غم ہے
ساغر مری مٹی سے بنے گا سو بار

ساغر پیالہ ہے۔ گردش میں ہے ساغر تو رہے گا سو بار، کے مصرعہ میں ساغر کی بے ثباتی کا ذکر ہے — بکھرنا، یکجا ہونا، یکجا ہو کر پھر بکھرنا۔ مٹی سے بنی ہوئی چیزوں کی فطرت میں گردش ہے۔ میری دانست میں ساغر جسم کا استعارہ ہے۔ عارف کے جسم کی مثال ساغر یعنی پیالے کی ہے جس میں معرفت کی شراب ہلکورے لے رہی ہے۔

قلندر باباؒ فرماتے ہیں کہ ساغر کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا کیا غم کہ دونوں حالتوں میں عارف کی طلب ایک ہے۔ ساغر بنتا اور بکھرتا ہے لیکن جس تشخص سے یہ وابستہ ہے، جب تک ساغر گردش میں ہے، وہ تشخص قائم رہتا ہے۔

رباعیات قلندر باباؒ فہم کا سمندر ہیں۔ جیسے سمندر کی موجیں ایک لیکن زاویے لاشمار ہیں، اسی طرح اس رباعی کی ایک اور فہم پڑھئے۔

سو بار جو ٹوٹے تو مجھے کیا غم ہے
ساغر مری مٹی سے بنے گا سو بار

مٹی کی اصل روشنی ہے۔ روشنی توانائی ہے اور توانائی فنا نہیں ہوتی، شکل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ مٹی کی مقداریں ایک مرتبہ ظاہر ہونے کے بعد دوبارہ مظاہرہ نہ کریں تو زمین پر زندگی رک جائے گی۔ مٹی میں مخفی رنگ غالب مغلوب ہو کر قسم قسم کے بہروپ بنتے ہیں اور تخلیق کا عمل جاری رہتا ہے۔

قرآن کریم میں مٹی سے متعلق آیات میں مٹی کی کائناتی سائنس بیان ہوئی ہے۔

”اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دیں۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ حق ہے۔ وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (الحج: ۵۔۶)

زمین کے تمام رنگ مٹی میں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ گھاس پھوس، خوش رنگ پھول، رنگ رنگ پھل، رنگوں سے بھرپور تتلیاں، ہرے بھرے درخت اور پودے سب مٹی کی تصویریں ہیں۔ سارے رنگ یکجان ہونے سے خاکی رنگ حاصل ہوتا ہے۔ رنگوں کی مقداریں، مٹی کی مقداروں کو قبول کرتی ہیں اور مٹی اندر کی تمام مقداروں کو رنگ رنگ ظاہر کرتی ہے۔

جب ہم بیج بوتے ہیں تو مٹی میں نہاں لاشمار رنگوں کے تحلیل شدہ مرکب (مادہ) بیج میں موجود درخت کی جڑ کو پکڑ لیتے ہیں۔ پانی کی مدد سے مٹی میں تحلیل رنگ بیج کی رگوں میں اتر کر درخت بنتے ہیں۔ جس تناسب سے درخت میں رنگ جذب ہوتے ہیں، اسی تناسب سے پتّوں، پھولوں اور پھلوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔

قلندر باباؒ ایک دوسری رباعی میں فرماتے ہیں،

کچھ گھاس کے پتّوں میں اگی ہے مٹی
کچھ باغ کے پودوں میں ڈھلی ہے مٹی
کچھ رنگ برنگ پھول ہوئی ہے مٹی
کچھ تتلیاں بن بن کے اُڑی ہے مٹی

سائنس کی ایک شاخ تھرموڈائنامکس میں توانائی کی مختلف حالتوں میں تبدیلی پر تحقیق کی جاتی ہے۔اس کے مطابق کائنات میں توانائی کی کُل مقدار مستقل رہتی ہے حالاں کہ توانائی حالت در حالت تغیر ہے۔

(مثال) گاڑی کا انجن پٹرول میں موجود کیمیائی توانائی کو میکانیکی توانائی میں تبدیل کرتا ہے اور شمسی فوٹو وولٹک سیلز سورج سے منعکس شدہ شعاعوں کو برقی توانائی میں تبدیل کرتے ہیں۔ شمسی فوٹو وولٹک سیلز ایسے مواد سے بنتے ہیں جو روشنی سے ٹکرانے پر الیکٹران پیدا کرتے ہیں۔

ہم کھانا کھاتے ہیں تو غذا میں موجود کیمیائی توانائی حرارتی اور میکانیکی توانائی میں تبدیل ہوتی ہے۔ میکانیکی توانائی ہماری حرکات و سکنات میں استعمال ہوتی ہے جب کہ حرارتی توانائی جسمانی نظام کو کنٹرول کرتی ہے۔ نتیجے میں توانائی کی مزید اقسام ظاہر ہوتی ہیں۔یوں توانائی حالت کی تبدیلی سے گزرتی ہے مگر فنا نہیں ہوتی۔ غذا کے جسم سے خارج ہونے کے بعد بھی زمین میں توانائی پیدا کرنے کا کام جاری رہتا ہے۔

مٹی ایک ہے لیکن اس میں توانائی کی لاشمار مقداریں ہیں جو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتی ہیں ــــ مٹی کبھی گھاس بنتی ہے، گھاس باغ بن جاتے ہیں، باغوں میں رنگ برنگ پھول کِھلتے ہیں اور پھولوں پر منڈلانے والی تتلیاں مٹی ہیں۔

زمین جس کا ایک نام مٹی ہے، اس میں مخفی توانائی کے عناصر کی شکل میں زمین کے اندر اور باہر تجدید (recycle) ہوتی رہتی ہے۔ زیرِ زمین معدنیات اور سطحِ زمین پر موبائل فون کی چِپ سے لے کر بڑے جہاز، سب میں مٹی کے عناصر آئرن، المونیم وغیرہ موجود ہیں۔

قدرت نے مٹی کو پھیلنے اور سمٹنے کی خصوصیت عطا کرکے زمین کی ہر شے کو اس کے بطن میں سمو دیا ہے۔ مٹی سے وائرس اور بیکٹیریا* بنتے ہیں اور مٹی میں سے پہاڑ نکلتے ہیں۔ مٹی کے دامن میں دھاتوں اور معدنیات کے دریا بہتے

---

* مٹی میں سڑاند ہے۔ سڑاند سے مراد جراثیم ہیں اور جراثیم کو دنیا وائرس اور بیکٹیریا کے نام سے جانتی ہے۔

ہیں، معدنیات اور دھاتوں سے لبریز پانی کے چشمے نکلتے ہیں۔ چشموں کا پانی نشیبی علاقے میں داخل ہو کر دریا اور ڈیم بنتا ہے۔ ڈیم میں پانی سے بجلی تیار ہوتی ہے اور گھر گھر میں برقی آلات کو روشن کرتی ہے۔ مٹی کے دامن میں پانی اور پانی میں کرنٹ دَور کرتا ہے۔ کرنٹ ایک طرف پھول اور پودوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، دوسری طرف برقی آلات میں زندگی بن جاتا ہے۔ مٹی کے ذرّات بے جان لگتے ہیں لیکن ان میں زندگی کے ہزاروں روپ سانس لیتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں۔

ہے زیرِ زمین بھی شہر کی آبادی
مٹی کے صنم سے ہے وہاں آزادی
ہے موت کا سایہ بھی وہاں پر ممنوع
ممکن ہی نہیں حیات کی بربادی

مٹی مقناطیس ہے۔ قلندر باباؒ کی رباعی ہے،

مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اڑ کر
دنیا کی فضا دیکھتے ہیں مڑ مڑ کر
مٹی کی کشش سے اب کہاں جائیں گے
مٹی نے انہیں دیکھ لیا ہے مڑ کر

مٹی کشش و گریز کا فارمولا ہے۔ اس سے نکلنے والے پرندوں کو زمین کے ثقل سے کسی حد تک آزادی نصیب ہوتی ہے لیکن یہ آزادی فریبِ نظر ہے۔ فضا میں اڑنے کو وہ مٹی کی گرفت سے نکلنا سمجھتے ہیں جب کہ ان کی پرواز مٹی کی لہروں کی حدود کے اندر ہے۔ جب وہ مٹی کے کنارے کی آخری حد پر پہنچتے ہیں تو مٹی انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جب تک ذہن مٹی کے تابع رہتا ہے، آدمی ہزاروں فٹ اوپر جا کر بھی مٹی کے زیرِ اثر ہے۔

ابدالِ حق نے روحانیت کی زبان میں مٹی کو ایسا مظہر فرمایا ہے جس میں تخلیقی فارمولے برسرِعمل ہیں۔ یہ فارمولے ردّوبدل ہو کر قسم قسم کی تخلیقات کا روپ اختیار کرتے ہیں۔ مٹی سے مراد روشنیوں کا خلط ملط ہے جس میں تمام رنگ موجود ہیں، رنگ طلسم پیدا کرتے ہیں اور رنگوں کا طلسم ہماری دنیا ہے۔

قلندر باباؒ نے ایک رباعی میں فرمایا ہے،

دنیائے طلسمات ہے ساری دنیا
کیا کہیے کہ ہے کیا یہ ہماری دنیا
مٹی کا کھلونا ہے ہماری تخلیق
مٹی کا کھلونا ہے ساری دنیا

افشاں ادریس

بات وقت کی ہے

یہ ترقی یافتہ دور ہے۔ ایجادات وسہولیات کی بہتات ہے۔ ”صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے، زندگی یونہی تمام ہوتی ہے“ کے مصداق، آدمی نے ضروریات اور مصروفیات بڑھالی ہیں۔ دن آتا ہے اور دبے پاؤں گزر جاتا ہے۔ دن رات گزرنے کا احساس تب ہوتا ہے جب وقت کی گھڑی سال گزرنے کی منادی کرتی ہے۔

شب وروز کی مصروفیات میں تنہائی کے لمحات بھی میسر آتے ہیں۔ ان لمحات کو اِدھر اُدھر کی سوچ میں گزارنے کی بجائے ان کا صحیح استعمال کرلیں تو زندگی کی کایا پلٹ جائے اور سوچ کا مرکز ومحور درست ہوجائے۔

تنہائی میں سوچیں کہ اللہ نے چند روزہ زندگی دی ہے، ہم جیسی چاہتے ہیں، زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ایک روز یہاں سے جانا ہے اور کچھ ساتھ لے کر نہیں جانا۔ خالی ہاتھ آئے تھے، خالی ہاتھ جائیں گے۔ جب آئے تو اعمال نامہ خالی تھا لیکن جاتے وقت اعمال نامہ خالی نہیں ہوتا۔ کیسی جھنجوڑنے والی بات ہے کہ مال و دولت جمع کرنے میں زندگی کا آخری دن آجاتا ہے۔ مال و دولت یہیں رہ جاتا ہے لیکن جس ذہن اور سوچ کے ساتھ دولت جمع کی، وہ عمل ہمارے ساتھ جاتا ہے اور حسبِ مراتب دوسری دنیا میں رہائش کا انتظام ہوتا ہے۔

ہم دولت کو اہمیت دیتے ہیں لیکن نیت اور عمل کی درستی کی فکر نہیں کرتے۔ عبادت کرتے ہیں مگر عبادت کی روح سے واقف نہیں ہیں۔ نماز میں اللہ اکبر کہتے ہی دنیاداری کے خیالات کی یلغار ہوجاتی ہے۔ سلام پھیرتے وقت یاد آتا ہے کہ ہم حالتِ نماز میں تھے۔ نماز اس تصور کے ساتھ قائم کی جاتی ہے کہ میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ دیکھ رہا ہے۔ اللہ اکبر کا اقرار کرکے دوسرے خیالات کو اہمیت دینا—؟ ہم دنیا کا ہر کام یکسوئی سے کرتے ہیں لیکن نماز

میں یکسو نہیں ہوتے۔ بزرگ یکسوئی کا طریقہ بتاتے ہیں کہ نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں اور کلمات کا ترجمہ یاد کیا جائے۔ ترجمے پر توجہ مرکوز کرنے سے ذہن یکسو ہو جاتا ہے۔

زندگی دو چار نفس ہے — دو چار نفس لاحاصل گزر جاتے ہیں تو پچھتاوا ہوتا ہے۔ ہم کتنے ہی مصروف ہوں لیکن اس مصروفیت میں اپنی پسند کی مزید مصروفیت کے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمارے پاس وقت ہے اور ہم جن کاموں کو اہمیت دیتے ہیں، ان کے لئے گنجائش ہے۔ ''مصروفیت'' کے لمحات میں سے کچھ لمحات نکال کر دنیا میں آنے اور یہاں سے جانے کے بارے میں سوچا جائے تو شب و روز کے معمولات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مصروفیت رہتی ہے اور کام بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن امور کو انجام دینے والا ذہن اور سوچ بدل جاتی ہے۔ ضروری سمجھے جانے والے بہت سے غیر ضروری کام معمولات سے حذف ہو جاتے ہیں اور وقت اندر کی دنیا میں صَرف ہوتا ہے — وقت میں برکت ہو جاتی ہے۔

اندر میں دیکھنے والا ہر فرد اپنی تخلیق پر متحیر رہ جاتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے سانس کا نظام ہے جس سے جسم میں کرنٹ دَور کرتا ہے اور کَل پرزے حرکت کرتے ہیں۔ تلاش کیجئے کہ سانس کس مقام سے جسم میں داخل ہوتا ہے اور کس مقام پر بکھر جاتا ہے؟

بات وقت کی ہے۔ وقت کو جس کام کے لئے وقف کیا جائے، اسی اعتبار سے مظاہرہ ہوتا ہے۔ ظاہر پرستی سے وقت کی اسپیس محدود ہوتی ہے۔ باطن کو اولیت دے کر ذمہ داریاں پوری کرنے سے زندگی سنور جاتی ہے۔

ہم کتنے مصروف کیوں نہ ہوں، دن رات میں تنہائی میسر آ ہی جاتی ہے۔ یہ لمحات نعمت ہیں جو معمول کی مصروفیات سے قطع تعلق کر کے یکسو ہونے میں مدد دیتے ہیں۔ یکسو لمحات کو اندر میں سے وابستہ کر دیں۔ اگر یہ لمحات پریشانیوں کی نذر ہو گئے تو—؟ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

اک آن کی دنیا ہے فریبی دنیا
اک آن میں ہے قید یہ ساری دنیا
اک آن ہی عاریت ملی ہے تجھ کو
یہ بھی جو گزر گئی تو گزری دنیا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ،

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بوسیلہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم سب پر نازل ہوں اور ہمیں جسمانی اور روحانی سکون حاصل ہو، آمین۔

شک اور بے یقینی کے طوفان سے پیدا ہونے والی تقریباً دوسو بیماریوں اور مسائل کو یکجا کر کے کتاب "روحانی علاج" میں ان کا حل شائع کیا گیا ہے۔ کتاب "روحانی علاج" کی مقبولیت کے پیشِ نظر قارئین کے تعاون سے ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" نے اس کتاب کو گھر گھر پہنچانے کا پروگرام بنایا ہے۔

جو خواتین و حضرات راہِ للہ کے اس پروگرام میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ادارے سے رابطہ کریں۔

ملنے کا پتہ : عظیمی یونیورسٹی پریس® سرجانی ٹاؤن، کراچی

+92 307111 5224

info@azeemiuniversitypress.com

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری جنڈ، اٹک

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات کے لئے
عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب روزانہ | حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

حامد ابراہیم

نظر باہر نہیں اندر دیکھتی ہے

خیال میں انہماک سے زمین میں رنگوں اور ثقل کی مقداریں جن سے گلاب بنا ہے، اپنی گرفت بتدریج مضبوط کرتی ہیں تو زید کو گلاب رنگ اور خوش بو کے ساتھ نظر آ جاتا ہے۔

یہ دنیا غیب ظاہر غیب ہے۔ غیب ظاہر کے نظام کا ایک جز یہ ہے کہ دریافت ہونے والی تخلیقات کے علاوہ دنیا میں ایسی مخلوقات ہیں جو اب تک آدمی کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

کیسے —؟ جاننے کے لئے آگے پڑھئے۔

ہماری زمین کا پہلا اور آخری کنارہ کون سا ہے، کس مقام پر پہنچ کر زمین ختم ہوتی ہے اور کس مقام سے شروع ہوئی ہے، خبر نہیں لیکن مصدقہ امر ہے کہ زمین کا پہلا اور آخری کنارہ موجود ہے، زمین کا پہلا اور آخری مقام بھی اسی زمین پر ہے۔ یقیناً وہاں کوئی نہ کوئی مخلوق آباد ہو گی، آدمی نہ سہی، پرندے، حشرات یا آبی مخلوقات کا بسیرا ہوگا۔ لبِ لباب یہ ہے کہ اس زمین پر ایسی مخلوقات ہیں جن کو ہم نے نہیں دیکھا اور نہ ان کے بارے میں سنا ہے۔ وہ کسی ایسے علاقے اور مقام پر ہیں جہاں اب تک آدمی کی رسائی نہیں اور نہ خبر ہے۔

زمین پر آدمی کا بسیرا ہے تو فضا پرندوں سے آباد ہے۔ دریافت شدہ پرندوں میں شکر خورہ دنیا کا سب سے چھوٹا پرندہ ہے۔ اس کا اوسط قد 8.5 سینٹی میٹر اور وزن دو سے 20 گرام تک ہے۔ پرندوں میں سب سے زیادہ تیزی سے پَر پھڑ پھڑانے کا اعزاز شکر خورے کے پاس ہے۔ یہ ایک سیکنڈ میں پَر پھڑ پھڑاتے ہوئے 50 سے 80 مرتبہ پروں کو اوپر نیچے کرتا ہے۔

قارئین! ہاتھ پروں کے مماثل ہیں۔ دائیں بائیں ہاتھ کھول کر پرندوں کی طرح ہلائیں اور بتائیں کہ ایک سیکنڈ میں ہاتھ کتنی مرتبہ اوپر نیچے ہوا۔ تجربے سے اندازہ ہوگا کہ شکر خورے کی رفتار کتنی ہے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ فی سیکنڈ پانچ مرتبہ پَر ہلیں تو آدمی پروں کی حرکت کو واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔ تعداد زیادہ ہونے سے پروں کی دو حرکت کے درمیان فاصلہ دھندلا ہونے لگتا ہے، پَر نظر آتے ہیں لیکن غیر واضح ہوتے ہیں۔ رفتار تیز ہو جائے تو پَر ساکن نظر آتے ہیں۔

تیزی سے پھڑ پھڑاتے ہوئے پروں کو ساکن دیکھنے کی نوعیت ہوائی جہاز، ریل گاڑی اور گاڑی جیسی ہے۔ ہوائی جہاز اور ریل گاڑی میں بیٹھنے کا تجربہ کسی کو نہ ہو تو گاڑی کا سفر سب نے کیا ہے۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے فرد کو گاڑی کی رفتار اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ وہ باہر کے مناظر کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ اگر باہر کے مناظر ایک سے ہو جائیں تو فرد کو گاڑی ساکن محسوس ہوگی اس لئے کہ گاڑی میں بیٹھے ہوئے فرد کی حرکت کی رفتار گاڑی کی رفتار کے برابر ہو جاتی ہے۔ ہوائی جہاز اور موجودہ دور کی تیز رفتار ٹرینیں اس کی بہترین مثال ہیں۔ اگر مسافر بردار جہاز 550 میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر کر رہا ہے تو اندر بیٹھے مسافروں کی رفتار بھی اتنی ہو جاتی ہے ۔ دونوں کی رفتار ایک ہونے سے دونوں کی حرکت کی فریکوئنسی ایک ہوگئی یعنی neutralize یا صفر ہوگئی جس کی وجہ سے جہاز کو تو اپنی حرکت محسوس ہو رہی ہے لیکن آدمی چوں کہ جہاز کی حرکت کے تابع ہوا ہے، وہ جہاز اور اپنی حرکت کو محسوس نہیں کر رہا اور اسے ساکن سمجھ رہا ہے۔ وہ جہاز کے دیکھنے کو دیکھنے کی وجہ سے فضا میں جہاز کی رفتار کو محسوس نہیں کرتا۔

مسافر الوژن میں ہے اور سمجھتا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں جب کہ وہ جہاز کی رفتار کو قبول کر کے جہاز کے دیکھنے کو دیکھ رہا ہے۔

دیکھنے اور دکھانے کا میڈیم روشنی ہے۔ روشنی کے انعکاس کو بنیاد بنا کر روشنی کی رفتار ایک لاکھ 86 ہزار دو سو 82 میل فی سیکنڈ بتائی جاتی ہے۔ انعکاس دو طرفہ سفر ہے — الف سے ب اور پھر ب سے الف تک پہنچنا۔ روشنی کے ایک سمت میں سفر کی رفتار معلوم نہیں کی جا سکی۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا، روشنی کی بتائی گئی رفتار قیاس (illusion) ہے۔

دیکھنے کے عمل کے بارے میں ماہرین کہتے ہیں کہ باہر سے روشنی آنکھوں میں داخل ہو کر برقی رَو کی شکل میں دماغ تک پہنچتی ہے اور

عکس بنتا ہے۔ واضح رہے کہ ہر فرد عکس کو اپنے رجحان یعنی اپنے دماغ (سوچ) کے مطابق دیکھتا ہے۔ سائنسی تحقیقات کہتی ہیں کہ ذہن ہمیں تصویر کا صرف تین سے پانچ فی صد حصہ دکھاتا ہے اور وہ بھی تحریف شدہ ہوتا ہے۔

ایسے میں سوالات قائم ہوتے ہیں،

① دیکھنے کی حقیقت کیا ہے؟

② دیکھنے کا میڈیم روشنی ہے۔ روشنی کیا ہے اور یہ کس رفتار سے سفر کرتی ہے؟

③ چوں کہ روشنی کائنات کے احاطے میں سفر کرتی ہے اور کائنات خود بھی حرکت میں ہے، کائنات کی رفتار کیا ہے؟

④ خواب ہو یا بیداری، ہم اندر دیکھتے ہیں، اندر میں عکس کا ماخذ (source) کیا ہے؟

⑤ نظر کا کردار کیا ہے؟

<u>روحانی سائنس کی وضاحت:</u> زید باغ میں چہل قدمی کر رہا ہے۔ نظر خوب صورت گلاب پر پڑتی ہے۔ وہ گلاب کے قریب جاتا ہے، اسے چھوتا ہے، خوش بو سونگھتا ہے اور چند لمحوں بعد آگے بڑھ جاتا ہے۔ ہوا کیا—؟

زید نے تحریک کے بغیر گلاب نہیں دیکھا۔ گلاب دیکھنے سے پہلے، گلاب کی اطلاع ذہن پر وارد ہوئی۔ اطلاع کی دستک گلاب کی خوش بو سے زیادہ لطیف ہے کہ ذہن پر دستک کا دباؤ محسوس نہیں ہوا۔ اندر کی دنیا میں دیکھنے والے خواتین و حضرات ماہرین جن کا علم مشاہداتی ہے، وہ اس مرحلے کو اطلاع کی پہلی منزل کہتے ہیں اور واہمہ کا نام دیتے ہیں۔

اطلاع، واہمہ میں قیام کرتے ہی اگلی منزل کا رخ کرتی ہے جس کا نام خیال ہے۔ ذہن کی اسکرین پر بہت ہلکا خاکہ بنتا ہے یعنی زید گلاب کے ہونے کو محسوس کر لیتا ہے لیکن ابھی تصویر پوری طرح واضح نہیں ہوئی۔ خیال میں انہماک سے زمین میں رنگوں اور ثقل کی مقداریں جن سے گلاب بنا ہے، اپنی گرفت بتدریج مضبوط کرتی ہیں تو زید کو گلاب رنگ اور خوش بو کے ساتھ نظر آ جاتا ہے۔

گلاب کے خیال میں یکسو ہو کر زید سمجھتا ہے کہ گلاب باہر ہے جب کہ یہ اندر میں اسکرین ہے جہاں گلاب کی پتیاں کھلی ہوئی ہیں اور بھینی بھینی خوش بو پھیلی ہوئی ہے۔ چند لمحوں بعد زید کی نظر اندر میں گلاب سے ہٹتی ہے اور توجہ ہونے نہ ہونے کا عمل اسی ترتیب سے واپس

پلٹتا ہے جس ترتیب سے ظاہر ہوا تھا۔ نظر ہٹنے کے بعد چند ثانیوں تک گلاب کا تصور ذہن میں رہتا ہے پھر ہلکے خاکے یعنی خیال میں منتقل ہوتا ہے، مزید ہلکا ہو کر واہمہ میں جاتا ہے اور وہاں سے اپنے سورس کی جانب لوٹ جاتا ہے۔

ہم دن رات مسلسل ایک کے بعد ایک شے اور مناظر دیکھتے ہیں۔ نظر ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری شے پر پڑتی ہے۔ نیند میں بھی دیکھنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ نکتہ یہ ہے کہ ہمیں دو مناظر کے درمیان وقفہ یا تعطل نظر نہیں آتا بلکہ فلم کی طرح تسلسل سے مناظر ظاہر اور غائب ہوتے ہیں۔ اطلاع کے وارد ہونے، واپس لوٹنے اور نتیجے میں غیب ظاہر غیب ہونے والی کائنات کی رفتار کیا ہے؟

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کے شاگردِ رشید محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"یہ بات بہت غور طلب ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے، وہ محوری اور طولانی گردش میں سفر کر رہا ہے۔ محوری گردش کا مطلب یہ ہے کہ حرکت کا ایک نقطے سے شروع ہو کر اُسی نقطے پر ختم ہونا۔ محوری گردش کا یہ قانون بھی دراصل پوری کائنات کو متحرک کئے ہوئے ہے۔ نزول و صعود کا یہ عمل سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ہوتا ہے اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں پلٹ جاتا ہے اور بار بار اس کا اعادہ ہوتا ہے۔ اعادہ جس رفتار سے ہوتا ہے، وہ رفتار اتنی تیز ہے کہ ہم ہر چیز کو اپنے سامنے ساکت محسوس کرتے ہیں جب کہ کائنات میں کوئی شے ساکت نہیں ہے۔ اگر کوئی شے ساکت ہو جائے تو پوری کائنات۔۔۔؟ بات صرف اتنی ہے کہ کائنات کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہم اسے ساکت محسوس کرتے ہیں۔"

کُن یعنی تخلیق کی ابتدا کو سمجھنے کے لئے محترم عظیمی صاحب کی تحریر مینارۂ نور ہے۔ صاحبِ مشاہدہ ہستی نے علمِ حضوری کے رموز قرطاسِ ابیض پر بکھیر دیے ہیں۔

تفکر سے منکشف ہوتا ہے کہ اطلاع میں شے کی پوری صفات ہوتی ہیں۔ جب اطلاع وارد ہوتی ہے تو محض اطلاع وارد نہیں ہوتی، اطلاع میں شے کا تخلیقی فارمولا نزول کرتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ غیب سے آنے والی اطلاع میں ہم شے کی کامل صفات دیکھ لیں لیکن کوتاہ نظری ہے کہ جب اطلاع کی نزولی حرکت کی تعداد فی سیکنڈ پانچ سے تجاوز کر جائے تو منظر دھندلا جاتا

سورس آف انفارمیشن

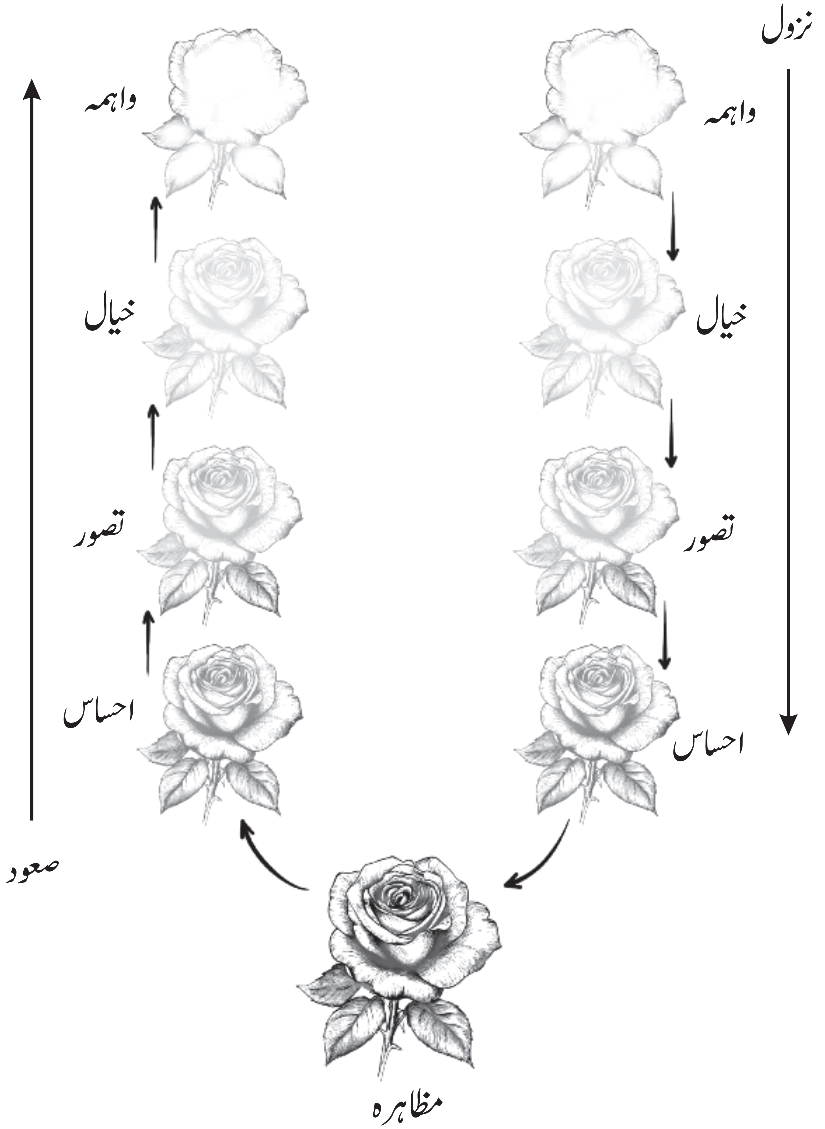

ہے۔ وجہ ہماری ناقص طرزِ فکر اور ذہنی رجحان ہے جس نے ذہن کی رفتار کو تقریباً جامد کر دیا ہے۔ شے جب نزولی مراحل کے آخری درجے میں مادی لباس پہنتی ہے تو ذہن رنگوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے اور نزولی رنگوں کو اصل سمجھتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے کے قابل نہیں رہتا کہ شے مادی لباس پہننے سے پہلے کس حال میں تھی اور اصل کیا ہے۔

حاصلِ تحریر: اطلاع — واہمہ، خیال، تصور اور احساس کے مراحل طے نہ کرے تو شے کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہر مرحلہ اپنی جگہ اطلاع کا عکس ہے یعنی شے ذہن میں اطلاع کے مراحل کا عکس ہے۔ ہم شے کو نہیں دیکھ رہے، عکس کو دیکھ رہے ہیں۔ مظاہرہ کرتے ہی عکس یعنی روشنی اصل کی طرف جاتی ہے۔ مادی حواس سے مغلوب ذہن عکس کی روشنی کو اصل گمان کرتا ہے جب کہ وہ عکس کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔

صاحبِ مشاہدہ خواتین و حضرات فرماتے ہیں،

"ہم اندر میں دیکھتے ہیں لیکن الوژن طرزِ فکر قبول کرنے کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ باہر دیکھ رہے ہیں۔ جو دیکھتے ہیں، اس کا نقش دماغ کی اسکرین پر منتقل ہوتا ہے۔ ہم دماغ کی اسکرین پر دیکھتے ہیں مگر لاعلمی کی بنا پر اسے آنکھوں سے دیکھنا گمان کرتے ہیں۔ اسکرین پر تصویر نمایاں نہ ہو تو نہیں دیکھتے۔"

اطلاع کو ظاہر کرنے کا میڈیم روشنی ہے اور روشنی کی بنیاد نور ہے۔ ارشادِ ربانی ہے،

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

(النور: ۳۵)

صاحبانِ شہود، نزول و عروج اور اندر میں دیکھنے والے اذہان سے درخواست ہے کہ اس مضمون پر تبصرہ کریں۔ (فقیر عظیمی)

دریا —؟

دو دوست دریا کنارے بیٹھے تھے۔ دریا کا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ پہلا دوست پانی کو دیکھتے ہوئے بولا، کیسا حسین دریا ہے!

دوسرے دوست نے کہا، تم نے پانی کی سطح دیکھی ہے، اس میں چھپے ہوئے دریا کو نہیں دیکھا۔ پانی اور ہے، دریا اور ہے۔

قارئین! آپ کیا سمجھے —؟

نادیہ افتخار

نقطہ ــــ؟

نیند گہری ہوتے ہی ماوراحواس کا مشاہدہ ہوتا ہے تو جاگنے کے بعد یہ مشاہدات اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں۔ وہ مناظر یاد رہتے ہیں جو محدود شعور کے زیرِ اثر دیکھے جاتے ہیں۔

زندگی میرے لئے کبھی پُرکشش نہیں رہی۔

میں اس نقطہ پر واپس جانا چاہتی ہوں جہاں اپنی تخلیق کے نشان کو مٹا سکوں کیوں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے دوئی کا آغاز ہوا تھا۔ سوچ کا سفر اس خیال پر پہنچ کر رک جاتا ہے کہ کائنات کی لوح سے اپنے وجود کو مٹانے یعنی undo کا انتخاب آدمی کے پاس نہیں ہے۔ امّ الکتاب، خالقِ کائنات اللہ کے پاس ہے، وہ جسے چاہے رکھتا ہے، جسے چاہے مٹا دیتا ہے۔ آدمی کے پاس اگر اختیار ہے تو اتنا کہ الٹے قدموں واپس ہو کر نقطہ ٔ آغاز پر پہنچے اور اس مقام کی کیفیت کو قائم رکھتے ہوئے سفر کا ازسرِنو آغاز کرے۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں کیوں کہ دوئی بھی یکتائی بھی یکتائی کو محسوس کرنے کے لئے ہے۔

میں سوچتی ہوں کہ زندگی کیا ہے؟

بزرگ فرماتے ہیں کہ زندگی دائرہ ہے۔ یہ جہاں سے شروع ہوتا ہے، وہیں مکمل ہوتا ہے۔

پھر خیال آتا ہے کہ ابتدا و انتہا کے درمیان سفر کیا ہے؟ کیا ضروری ہے کہ دائرے کی تکمیل کے لئے طوالانی حرکت اختیار کی جائے؟ طوالانی سفر کے بعد ہی ابتدا و انتہا کے ایک ہونے کا ادراک کیوں ہوتا ہے؟ دائرے کا ہر لمحہ اور پڑاؤ دائرہ ہے۔ ایسا تو نہیں کہ سفر کرنے والا جب یہ بھول جاتا ہے کہ میں دائرے میں ہوں تو دائرہ اس کے لئے طول بن جاتا ہے؟ طول کو دائرے کا حصہ تسلیم کرنے سے دائرہ چھپ جاتا ہے اور جب دنیا سے جانے کا وقت آتا ہے تو آنکھیں کھلتی ہیں کہ زندگی ابتدا سے انتہا کی طرف گامزن ہے۔ ارشادِ ربانی ہے،

انا للہ وانا الیہ راجعون

آیت کا ترجمہ خود پڑھئے۔

ابتدا اسے غافل فرد مثلث میں قید ہو جاتا ہے۔ وہ ہر موڑ پر رکتا ہے، گرتا ہے پھر چل پڑتا ہے پھر رکتا ہے۔ تکرار جاری رہتی ہے، نہ رفتار بڑھتی ہے نہ راستہ طے ہوتا ہے، دو قدم کا فاصلہ برسوں پر محیط ہو جاتا ہے۔

△ مثلث یعنی فریب کہ دنیا باہر ہے جب کہ باہر کچھ نہیں، سب اندر ہے۔ مثلث سے فریب پیدا ہوتا ہے۔

○ دائرہ یعنی اندر میں دنیا اور اس کے حواس۔ حواس کی تعداد گیارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ ہم پانچ حواس سے واقف ہیں اور پانچوں حواس پر محیط اطلاع کو چھٹی حس کہتے ہیں جب کہ فریبِ نظر سے آزاد ذہن کے لئے ہر حس، چھٹی حس ہے۔

ادراک کہتا ہے کہ بیداری میں پانچ حواس سے واقف فرد کے لئے نیند کی دنیا میں بھی حواس کے پانچ روزن کھلتے ہیں۔ نیند گہری ہوتے ہی ماورا حواس کا مشاہدہ ہوتا ہے تو جاگنے کے بعد یہ مشاہدات اندھیرے میں گم ہو جاتے ہیں۔ وہ مناظر یاد رہتے ہیں جو محدود شعور کے زیرِ اثر دیکھے جاتے ہیں۔ یہ مثلث کی کارفرمائی ہے جو لامحدود کو محدود دکھاتی ہے اور محدود کو لامحدود بنا کر پیش کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ محدود حواس سے لامحدود حواس تک رسائی کیسے ہو؟ کئی روز شش و پنج میں مبتلا رہی۔

جواب ایک ہی تھا— دائرہ۔

سوچ کا سفر جاری رہا۔

مثلث پانچ حواس کی دنیا ہے تو دائرہ گیارہ ہزار اور اس سے زیادہ حواس کی ایک نقطہ پر یکجائی ہے۔ دائرے کے حواس کیا ہیں؟ یہ روح کے حواس ہیں جو بتاتے ہیں کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

روح لامحدود ہے تو روح کے حواس بھی لامحدود ہیں۔ دماغ کی اسکرین پر ہزاروں برس پہلے کے دَور کا تصور ابھرا۔ تصور کی آنکھ نے دیکھا کہ روح کے حواس پیغمبر حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ”کتاب“ سے واقف انسان کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے سے پہلے سبا کی ملکہ کا تخت حاضر کر دیتا ہے۔

روح کیا ہے — ؟ روح اللہ کا امر ہے۔ اللہ کے امر کے بغیر پتّا نہیں ہلتا اور ذرّہ حرکت نہیں کرتا۔ اللہ کے امر سے کائنات حرکت میں ہے۔ اللہ نہ چاہتا تو کائنات غیب سے ظاہر نہ ہوتی۔

روح جس نے سب کو حرکت میں رکھا ہے، جسم کے لباس میں مظاہرہ کرتی ہے یعنی اس کا مقام اندر میں دنیا ہے۔ الہامی کتابیں، پیغمبران کرام علیہم السلام اور ان کے روحانی علوم کے وارث اولیاء اللہ نے ایک بات مختلف طریقوں سے بیان کی ہے کہ چھپا ہوا خزانہ اندر ہے، باہر کچھ نہیں ہے۔ خالق و مالک اللہ نے فرمایا ہے،

"بے شک سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہرگز وہ راہِ راست پر نہ تھے۔" (یونس:۴۵)

باہر تلاش کرنے سے ہاتھ خالی رہتے ہیں اور دل بھی جیسے کہ میرا دل خالی ہے۔ میں بھی تو یہی سمجھتی ہوں کہ سب باہر ہے۔

"آئینے میں خود کو دیکھ کر اپنے عکس کو باہر گمان کرتی ہوں جب کہ عکس باہر کہاں ہے! یہ دماغ کی اسکرین سے آئینے پر منعکس ہو رہا ہے اور آئینہ بھی باہر نہیں ہے، یہ دماغ کی اسکرین ہے جسے میں دیوار پر لگا ہوا آئینہ سمجھ رہی ہوں۔ دیوار بھی اندر ہے، آئینہ اور عکس بھی — ان کو باہر سمجھنا فریب ہے جو دائرے کو محسوس نہ کرنے کی وجہ سے مثلث سوچ نے پیدا کیا ہے۔"

دائرہ روح کے حواس ہیں۔ روح اندر ہے اور اندر میں مظاہرہ کرتی ہے۔ جب میں سونے سے جاگنے اور جاگنے سے سونے کی زندگی پر غور کرتی ہوں تو ایک کام ایسا نظر نہیں آتا جو اندر میں نہ ہوتا ہو۔ یہ تحریر جو میں لکھ رہی ہوں، جب تک دماغ کی اسکرین پر ظاہر نہیں ہوئی، کاغذ پر مظاہرہ نہیں ہوا۔ کاغذ بھی اندر ہے۔ میں اندر دیکھنے میں منہمک ہوں مگر مثلث کی قید سمتوں میں الوژن پیدا کرتی ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ میں باہر دیکھ رہی ہوں۔

مخلوق اپنا عکس آئینے میں دیکھتی ہے۔ آئینہ نہ ہو تو اپنی صورت کا علم کیسے ہو؟ قدرت نے شناخت کے نظام کے لئے کائنات کو آئینہ اور آئینے کو میڈیم بنایا ہے۔ یہ مخلوق کی بات ہے۔ جہاں تک ربِ کائنات کا عرفان ہے تو کسی

مخلوق میں سکت نہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے جمال و جلال کا مشاہدہ کر سکے مگر جتنا اللہ چاہے۔ جس نے اللہ کی صفات کو دیکھا، کسی نہ کسی آئینے میں دیکھا ہے جیسے یومِ ازل صفتِ ربوبیت کے آئینے میں تجلّیِ الٰہی کا مشاہدہ ہوا اور مخلوقات نے قالوا بلیٰ کہہ کر اقرار کیا کہ جی ہاں ! آپ ہمارے رب ہیں۔

دل آئینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے صفاتِ الٰہی کے دیدار کے لئے دل کو صاف اور مجلّا کرتے ہیں۔ دل جب مجلّا یعنی تجلّی کے عکس کو قبول کرنے کی تاب رکھتا ہے تو بندہ شکر اور انکسار سے سجدے میں چلا جاتا ہے۔ اللہ نے مومن کے دل کو اپنا گھر قرار دیا ہے۔

ہر مذہب اور تہذیب میں لوگوں نے عقیدہ کے مطابق اللہ سے واقف ہونے کی کوشش کی ہے۔ بدھا صاحب فرماتے ہیں،

"جس لمحے مجھے عرفان حاصل ہوا، خودی مجھ پہ عیاں ہوئی۔ میں حیران رہ گیا۔ سب کچھ اندر ہے لیکن لوگ دیکھتے نہیں۔"

میرا خیال تھا کہ اللہ سے اپنے تعلق کے مشاہدے کے لئے دنیا ترک کرنی پڑتی ہے۔ دراصل میں ترکِ دنیا سے واقف نہیں تھی۔ معلوم نہیں تھا کہ ترکِ دنیا میں دنیا کیا ہے اور ترک کسے کہتے ہیں۔ پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کا فرمانِ مبارک ہے،

"مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو گے تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا کیوں کہ جو کوئی مانگتا ہے، اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے، وہ پاتا ہے اور جو کھٹکھٹاتا ہے، اس کے واسطے کھولا جائے گا۔"

(انجیل۔ متی: باب ۷، آیت: ۷۔۸)

جب میں حقیقت کی تلاش میں نکلی تو قدرت نے راہ نمائی کی اور منزل رسیدہ ہستی سے ملوایا۔ ملاقات کے دوران بزرگ نے دنیا کے حوالے سے میری سوچ کی اصلاح کی۔ فرمایا،

"دنیا ہمارے لئے تخلیق ہوئی ہے۔ اگر ہم منہ موڑ کے بیٹھ جائیں گے تو دنیا ویران ہو جائے گی۔ نظام ایک ہے اور کام بھی ایک ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے کرو گی تو صحیح ہے اور شیطان کے بتائے ہوئے طریقے سے کرو گی تو غلط ہے۔ آپ کو بھوک لگی ہے۔ کھانا نہیں ہے۔ کسی سے روٹی مانگ کے کھاؤ، صحیح ہے، روٹی چوری کر کے کھاؤ تو غلط ہے۔ کسی کو

کچھ سمجھاتے ہوئے پیار سے تھپکی دو تو صحیح اور غصہ کرو تو غلط ہے۔ ایک کام ہے، دو راستے، دو طریقے ہیں۔ ایک راستہ اللہ کی طرف لے جاتا ہے، دوسرا راستہ شیطان کا ہے۔"

سمجھ میں یہ آیا ہے کہ اللہ نے دنیا کو ہمارے لئے بنایا ہے اور نعمتوں سے سجایا ہے۔ دنیا کا ترک نہیں کرنا بلکہ تغیر کو تغیر سمجھنا ہے اور تغیر "ترک" ہے— فریب کا ترک اور فریب شیطان کا بچھایا ہوا جال ہے۔ دل اللہ کی طرف متوجہ رہے گا تو زندگی دائرے میں سفر کرے گی۔ دل دنیا کی طرف متوجہ رہے گا تو مثلث حاوی ہو جائے گی۔

بزرگ کی کہی ہوئی بات یاد آئی کہ سالوں گزر جاتے ہیں اور مرید پہلی جماعت سے آگے نہیں جاتا۔ سمجھ میں آیا کہ آگے جانے کے لئے رفتار کی ضرورت ہے۔ روح کی رفتار تیز ہے، جسم کی نہیں اور روح اندر ہے۔ اندر کی طرف یکسوئی پہلی جماعت سے دوسری جماعت میں منتقل کرتی ہے ورنہ وقت گزر جاتا ہے۔

پشاور سے کراچی تک طویل سڑک ہے۔ مسافر کے پاس گاڑی ہے اور ایندھن بھی۔ وہ کراچی جانے کی بجائے اِدھر اُدھر کے نظاروں میں مگن ہے۔ ایک جگہ رکتا ہے اور کبھی دوسری جگہ۔ ساتھ ساتھ خریداری بھی کرتا ہے۔ کیا وہ وقت پر کراچی پہنچ سکتا ہے؟ کیا منزل پر پہنچنے سے پہلے ایندھن ختم نہیں ہو جائے گا؟

مثلث کی ساخت پر غور کیا جائے تو یہ تین لکیروں سے بنتی ہے— ایک لکیر شروع ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے— دوسری شروع ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے اور اس طرح تیسری۔

مثلث کیا ہے—؟ فریبِ دنیا ہے جو ایک کو ہزار در ہزار دکھاتی ہے۔ سچ ایک ہے۔ ایک کو چھوڑ کر انتشار میں مبتلا ہونے سے توانائی تقسیم ہوتی ہے۔ ایک میں مرکوز رہنے سے توانائی خرچ ہونے کے ساتھ ساتھ ذخیرہ ہوتی ہے۔

خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو اس لئے تخلیق کیا ہے کہ مخلوق اپنی رضا اور خوشی سے اللہ اور اپنے تعلق سے واقف ہو۔ واقفیت کا مقام باہر نہیں، اندر ہے۔ یہی نقطۂ آغاز ہے اور یہی فنائیت ہے۔

زیر سر پرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور ــــــ روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات وطلبہ کے لئے عظیمی صاحب کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

زاہدہ تبسم

اچھی فریکوئنسی

فلاحی سرگرمیوں میں مشغول شخص کی توجہ پریشانی سے ہٹتی ہے اور مدد کی طرف مائل ہوتی ہے، الجھن کو سلجھانے کی سوچ پیدا ہوتی ہے۔ نتیجے میں تناؤ کی لہریں بکھرتی ہیں اور زندگی خوشی اور خوداعتمادی کا مظہر بن جاتی ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی حیات نرم دلی، انسان دوستی اور دل جوئی سے عبارت ہے۔ ان کی ہستی لوگوں کے لئے محبت، سکون اور فیض و کرم کا باعث ہے اور ان سے نسبت خلوص اور مہربانیوں کے طویل سلسلے کا نام ہے جس میں مذہب و ملت، رنگ و نسل اور اپنے پرائے کی تفریق نہیں ہے۔ یہاں پیاسے دل سیراب ہوتے ہیں اور یقین کی دنیا روشن ہوتی ہے۔ ایسی ہستیوں کی برکت سے ماحول میں سکون اور یقین کی خوش بو پھیل جاتی ہے۔

ابدالِ حق کی حیات خلقِ خدا کی خدمت اور انہیں اعلیٰ علمی و اخلاقی اوصاف کی تعلیم دینے میں گزری۔ توجہ طلب ہے کہ حسنِ اخلاق کی صفات ابتدائی عمر سے شخصیت میں نمایاں تھیں۔

وہ عقیدت مندوں سے فرماتے تھے،

”آدمی، آدمی کی دوا ہے۔“

فطرت کا نظام ہے کہ آدمی کی پریشانی اور تکلیف کا حل دوسرے فرد کے محبت بھرے جذبات اور ہمدردی میں ہے۔ قلندر بابا اولیاؒ کے ترتیب دیئے گئے سلسلۂ عظیمیہ کے قواعد و ضوابط کی شق ۱۶ میں ہے،

”نوعِ انسان میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناتے سے خالقِ کائنات کے تخلیقی رازو نیاز ہیں۔ آپس میں بھائی بہن ہیں۔ نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو، جس کے اندر اللہ کے اوصاف کا عکس نمایاں ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے، کسی

کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔“

ابدالِ حق کی تعلیمات سکھاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر تفکر سے انسان یقین کی اعلیٰ سطح حق الیقین میں داخل ہو جاتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ اللہ کی صفات ہر شے پر محیط ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ کی رحمت سے سیراب ہوتا ہے اور اسی کے وسیلے سے مخلوق صلاحیت، حکمت اور علم کا مظاہرہ کرتی ہے۔

انسان دیکھتا ہے کہ ایثار و تعاون کائنات کی بقا کے ضامن ہیں۔ درخت، پانی، ہوا، حیوان باہمی تعاون سے زندہ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ مثلاً سندر (شیتل) اور دیودار کے درخت ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ ان میں سے ایک درخت کو سورج کی روشنی زیادہ ملتی ہے تو وہ جڑوں کے ذریعے دوسرے درخت کو غذا فراہم کرتا ہے۔ سندر درخت ایسے بیکٹیریا کی پرورش کرتے ہیں جو دیودار کے فنگس کے خلاف مزاحمت میں مدد کرتے ہیں۔ ایسی بے شمار مثالیں کائنات میں موجود ہیں۔

تلاش یہ کرنا ہے کہ اس نظام میں انسان کا کیا امتیاز ہے؟ انسان بھی دیگر مخلوقات کی طرح کائنات کی ہر شے سے وابستہ ہے۔ سلسلۂ عظیمیہ کے اغراض و مقاصد نمبر چھ کے مطابق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات یہ ہیں،

”تمام نوعِ انسانی کو اپنی برادری سمجھنا، بلا تفریق مذہب و ملّت ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور حتی المقدور ان کے ساتھ ہمدردی کرنا۔“

ہمدرد وہ ہیں جو درد میں ہمدم بن جاتے ہیں۔ ایسا انسان دوسروں کے دکھ میں خاموشی سے شامل ہوتا ہے اور درد کا درماں بنتا ہے۔ اللہ کے دوست رحم دلی کی تعلیم دیتے ہیں۔ غور کریں کہ رحم دلی یعنی دل سے رحم کرنے والے کا دل صحت مند رہتا ہے، ظرف وسیع ہوتا ہے، وہ اظہار کے بغیر محسوس کرلیتا ہے کہ دوسرا فرد تکلیف میں ہے۔ آیئے، رحم دلی کے جذبات کو مختلف زاویوں سے سمجھتے ہیں۔

دل پر روّیوں کے اثرات کے حوالے سے بہت سی تحقیقات ہو چکی ہیں۔ محققین نے دل کے مریضوں پر تحقیق اور سروے کے مشاہدات بیان کئے ہیں — وہ کہتے ہیں کہ دل کے مریضوں میں مثبت رویے رکھنے والے افراد جلد رُو بہ صحت

ہوتے ہیں اور دماغ کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ نتائج میں بتایا گیا کہ سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینے والے افراد جوانی اور بڑھاپے میں نفسیاتی امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔

رحمت زندگی ہے، سرچشمۂ حیات ہے اور محبت کشش ہے جس نے کائنات کے اجزا کو باہم جوڑ رکھا ہے۔ اللہ کی رحمت، محبت کے ساتھ مظہر بنتی ہے تاکہ مخلوق ہر لمحہ خالق کی محبت کو محسوس کرتے ہوئے ایک دوسرے کی مددگار ہو اور خلا کو خالی نہ سمجھے، وہ دیکھے کہ خلا محبت کی لہروں سے لبریز ہے اور یہ لہریں قسم قسم کے نقش و نگار میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ان نقش و نگار کو ہم وسائل اور مخلوقات کے نام سے جانتے ہیں۔

تحقیق و تلاش کی رُو سے آدمی کے دماغ کی فطری ساخت اس طرح ہے کہ وہ دوسروں کا دل کی گہرائیوں سے خیال رکھے یعنی،

؎ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

تحقیق بتاتی ہے کہ انسانی دماغ میں موجود Mirror Neurons ہمیں دوسروں کی تکلیف کو سمجھنے اور محسوس کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ عصبی خلیے اس وقت متحرک ہوتے ہیں جب ہم کسی کو پریشانی یا تکلیف میں دیکھتے ہیں اور ہمیں مدد کرنے کا خیال آتا ہے۔ وہ اس عمل کو Neutral Resonance* کا نام دیتے ہیں۔ یہ دماغ کی فطری صلاحیت ہے جو اردگرد کے معاملات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

(مثال) ستار کے تار بجائے جائیں اور دوسرا ستار قریب ہو تو وہ بھی اس فریکوئنسی پر جنبش کرتا ہے۔ اسی طرح دماغ کے نیورانز دوسروں کے دکھ سکھ کے خیالات سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جب یہ خیالات عمل میں داخل ہوتے ہیں تو ذہن کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے، پُرسکون نیند آتی ہے اور فرد "حال" میں خوش اور مطمئن رہتا ہے۔

بالفرض کوئی فرد تناؤ کا شکار ہے تب ماہرینِ نفسیات رحم دلی کی تربیت یا Compassion Based Training کا طریقہ استعمال کرتے ہیں تاکہ فرد کے اندر ہمدردی کا جذبہ ابھرے

---

* Resonance کا مطلب ہے گونجنا، کسی چیز کا ہم آہنگی یا ارتعاش کے ذریعے جواب دینا۔ ایک جسم یا نظام دوسرے جسم یا نظام کی فریکوئنسی سے ہم آہنگ ہوکر مرتعش (جھنجھناہٹ) ہوتا ہے۔

اور وہ فلاحی کاموں کی طرف راغب ہو۔ فلاحی سرگرمیوں میں مشغول شخص کی توجہ پریشانی سے ہٹتی ہے اور مدد کی طرف مائل ہوتی ہے، الجھن کو سلجھانے کی سوچ پیدا ہوتی ہے۔ نتیجے میں تناؤ کی لہریں بکھرتی ہیں اور زندگی خوشی اور خود اعتمادی کا مظہر بن جاتی ہے۔

نیورو سائنس کے مطابق دوسروں کا احساس کرنے والے افراد کے دماغ میں خاص قسم کے neural pathways تشکیل پاتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے منسلک نیورانز کا سلسلہ ہے جو دماغ کے ایک حصے سے دوسرے حصے کو اشارے بھیجتا ہے۔ اس سے اعصاب مضبوط ہوتے اور انتشار نہیں ہوتا۔

ہر جذبے کی لہریں ہیں۔ مثبت جذبات کی لہریں تناؤ کو تحلیل کرتی ہیں، فرد کو خوش و خرم رکھتی ہیں اور سکون کی حالت میں داخل کرتی ہیں۔ دوسری جانب منفی جذبات کی لہریں گورکھ دھندا بن جاتی ہیں۔

اللہ کے دوست خوف سے دور ہیں۔ حالات کی سختیوں سے گزرتے ہیں لیکن خوش رہتے ہیں کیوں کہ ان کے اندر ہمدردی کا جذبہ غالب ہوتا ہے جو بے چین لہروں کے اثر کو زائل کر دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خوش رہنا ہے تو اللہ کے دوست بن جاؤ کیوں کہ — اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات سکھاتی ہیں کہ اللہ کے دوست رواداری اور شفقت کو اپناتے ہیں، ہر مخلوق کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا دارالعمل ہے۔ یہاں "اچھائی کی فریکوئنسی" پر قائم رہنا اصل امتحان ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والا دنیا میں رہتے ہوئے جنت کی فریکوئنسی سے واقف ہو جاتا ہے۔

رمز لکھئے

بیٹے نے کہا، ابو! جب کوئی اپنی اصلاح نہیں کرتا تو مجھے افسوس ہوتا ہے۔ کیا اپنی اصلاح اتنی مشکل ہے؟ والد نے کہا، بالکل نہیں۔ جب تم کسی میں عیب دیکھو تو اسے اپنے اندر تلاش کرو۔ وہ عیب تمہارے اندر ہے تو خود سے دور کر دو۔ یہ آسان طریقہ ہے۔

محمد احمد خان

کاغذ کا چھتّا

کاغذ کی ایجاد نے علم کے فروغ میں آسانی پیدا کی۔ قارئین خواتین و حضرات سے سوال ہے کہ اگر کاغذ نہ ہوتا تو کیا ہوتا—؟

ضرورت پہلے ہے یا ایجاد، فیصلہ مشکل ہے۔ کہیں ضرورت کی وجہ سے ایجاد ہوتی ہے اور کہیں ایجاد ضرورت بن جاتی ہے۔ ایجاد کا قاعدہ بھی دلچسپ ہے۔ اللہ نے مخلوق کی ضرورت کی ہر چیز پہلے سے موجود رکھی ہے۔ جب کوئی چیز کوشش اور بغیر کوشش کے محقق کے سامنے آتی ہے تو وہ ایجاد کا نعرہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بنا لیا—کہنا یہ چاہئے کہ میں نے دریافت کر لیا۔ کوئی سوال کر سکتا ہے کہ جب ہر چیز پہلے سے موجود ہے تو چھپی ہوئی کیوں ہے اور ہماری اس تک رسائی کیوں نہیں ہے؟

سوال کرنے والے سے جواباً سوال ہونا چاہئے کہ شے چھپی ہوئی ہے یا ہم نہیں دیکھ رہے؟

قانون ہے کہ ہر شے باشعور ہے۔ آدمی کو شعور ہے تو جس شے کو ظاہر ہونا ہے، اس کا بھی شعور ہے۔ جب دونوں شعور یکجا ہوتے ہیں تو دنیا اس نتیجے کو "ایجاد" کہتی ہے۔

ایسی ایجادات کا شمار نہیں جن میں محقق کی ارادی کاوش نہیں تھی۔ چوں کہ شعور اس سطح پر پہنچ گیا تھا کہ متعلقہ شے کو دیکھ لے اس لئے وہ شے ظاہر ہوگئی۔ اسی طرز پر ایسی بہت سی اشیا ہیں جن کو بنانے یا تلاش کرنے کی محقق کوشش کرتا ہے اور بسا اوقات اس کوشش میں دنیا سے جانے کا وقت آجاتا ہے۔ بعد میں آنے والا فرد تحقیق کو آگے بڑھاتا ہے اور شے دنیا کے سامنے آجاتی ہے۔

ایجاد تک پہنچنے میں وقت کیوں لگتا ہے؟

بظاہر محقق پرزے تلاش کرتا ہے، جوڑتا، توڑتا ہے اور پھر جوڑتا ہے، کیمیائی محلول کو ملا کر مرکب تیار کرنا چاہتا ہے، تفکر میں ڈوب جاتا

ہے، تجربات کرتا ہے لیکن اندر میں دیکھیں تو یہ وقت فہم کی سطح کا مطلوبہ شے کی فہم تک پہنچنے میں صَرف ہوتا ہے۔

مضمون میں چند ایسی ایجادات کا ذکر ہے جن کو سائنس کی دنیا اتفاقیہ ایجاد کہتی ہے جب کہ زمانے میں اتفاق نام کی کوئی شق نہیں ہے۔

کونین (Quinine) کی دریافت: کونین سنکونا (Cinchona) درخت کی چھال کا پاؤڈر ہے جو بیماریوں کے علاج میں بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اس سے ملیریا بخار کا علاج کیا جاتا ہے جو مادہ مچھر کے کاٹنے سے پھیلتا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ کونین تقریباً سولہویں صدی عیسوی میں دریافت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ جنوبی امریکا کے ملک Peru میں ایک سپاہی کو ملیریا بخار ہوگیا۔ بخار میں سردی لگی اور کپکپی طاری ہوگئی۔ یونٹ کے ساتھیوں کے لئے رکنا ممکن نہ تھا، اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

سپاہی ساتھیوں کے جانے کے بعد نہ جانے کتنی دیر وہاں پڑا کراہتا رہا۔ اسے پیاس لگی۔ پیاس سے بے حال ہو کر خود کو گھسیٹتا ہوا قریب موجود تالاب تک گیا اور پانی پیا۔ اس کے بعد غنودگی طاری ہوئی اور وہ سوگیا۔ نیند سے جاگا تو بخار رخصت ہو چکا تھا۔

ہمت کر کے اٹھا اور روانہ ہوا۔ چلتے چلتے اپنے یونٹ سے جا ملا۔ ساتھی اسے زندہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس نے بتایا کہ میں نے تالاب سے پانی پیا اور سوگیا۔ نیند سے جاگا تو بخار ختم ہو چکا تھا۔ یونٹ والوں نے سوچا کہ ملیریا کے بخار سے جانبر ہونا ممکن نہیں، یقیناً تالاب کے پانی میں شفا ہے۔ یہ اہم بات تھی کیوں کہ اس وقت تک ملیریا سے بیماری کا علاج موجود نہیں تھا اور متاثرہ فرد جان سے مر جاتا تھا۔

تالاب کا پانی کڑوا تھا۔ تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ کڑواہٹ کی وجہ تالاب کے کنارے پر موجود سنکونا درخت کی چھال تھی۔ یوں سپاہی کی تیز بخار کی حالت میں تالاب تک جانے کی کوشش سے دریافت ہوا کہ سنکونا درخت کی چھال سے ملیریا کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

ملیریا سے اموات کی شرح آج بھی زیادہ ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ دنیا کی تاریخ میں اب تک بیماریوں کی وجہ سے جتنی اموات ہوئی ہیں، ان میں نصف اموات کی وجہ ملیریا بخار تھا۔

دسمبر 2023ء میں عالمی ادارۂ صحت (WHO)

کی ایک رپورٹ کے مطابق سال 2022ء میں دنیا بھر میں تقریباً24 لاکھ افراد ملیریا سے متاثر ہوئے جن میں چھ لاکھ آٹھ ہزار افراد جان سے گئے۔ 94 فی صد متاثرین کا تعلق افریقی خطے سے تھا اسی لئے سب سے زیادہ اموات بھی افریقا میں ہوئیں جو رپورٹ کے مطابق پانچ لاکھ80 ہزار ہیں۔

مائیکروویو اوون: مائیکروویو کو اردو زبان میں خُرد موج کہتے ہیں۔ خُرد فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی باریک ہے۔ موج عربی میں لہر کو کہتے ہیں۔ مائیکروویو برقی مقناطیسی تابکاری کی ایک شکل ہے جس کی طولِ موج دیگر ریڈیائی لہروں سے چھوٹی لیکن انفراریڈ لہروں سے بڑی ہے۔ یہ غذا کے سالمات کی حرکت کو تیز کرتی ہے جس کی وجہ سے ان میں فرکشن (رگڑ) پیدا ہوتی ہے۔ آسان مثال سردی میں ہاتھوں کو رگڑنا یا ملنا ہے تاکہ ہاتھ گرم ہو جائیں۔ فرکشن (رگڑ) سے غذا کے اندر گرمی پیدا ہوتی ہے جس سے کم وقت میں کھانا گرم ہو جاتا ہے۔

جنگِ عظیم دوم کے بعد کا ذکر ہے۔ 1946ء میں امریکا میں ایک شخص پرسی اسپنسر رصد گاہ میں موجود تھا۔ وہ معمول کے معائنے کے دوران میگنا ٹرون کے سامنے آ کر رکا جو مائیکرو ویوز پیدا کرتی ہیں۔ میگناٹرون وہ ویکیوم ٹیوب ہے جس سے ریڈار سیٹ چلایا جاتا ہے۔ پرسی کی جیب میں چاکلیٹ تھی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ پگھل چکی تھی۔ خیال آیا کہ چاکلیٹ مائیکروویوز کی وجہ سے پگھلی ہے۔

کمپنی نے ملازم کی سفارش پر 1947ء میں یعنی ایک سال بعد پہلا اوون "ریڈار رینج" کے نام سے بنایا۔ وزن 750 پونڈ اور لمبائی پانچ فٹ چھ انچ تھی۔ اس کا استعمال ریستوران اور بحری جہازوں تک محدود تھا۔ اب یہ ہر گھر میں ہے۔

اسٹین لیس اسٹیل: ہم جانتے ہیں کہ لوہا زنگ پکڑ لیتا ہے۔ سوال ہے کہ لوہے کو زنگ کیوں لگتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آکسیجن سے مل کر ردِّ عمل ظاہر کرتا ہے۔ نتیجے میں آئرن آکسائیڈ پیدا ہوتا ہے۔ آئرن اور آکسیجن کے کیمیائی مرکب آئرن آکسائید کہلاتے ہیں۔ لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے لیکن اسٹین لیس اسٹیل (Stainless Steel) کو زنگ نہیں لگتا۔

1913ء کی بات ہے کہ دھات کاری کا ماہر برطانوی محقق ہیری بریرلے بندوق کی نالی بنانے کے لئے کسی دھات کی تلاش میں تھا۔ مختلف دھاتوں کو آپس میں ملا کر تجربات کئے۔ ان کے مرکب کو بھرت (alloy) کہتے ہیں۔ بچے کچے ٹکڑے باہر پھینک دیے۔ کچھ مہینوں بعد دیکھا کہ پھینکے گئے بیش تر ٹکڑوں کو زنگ لگ گیا ہے مگر ایک سرا زنگ سے محفوظ تھا۔ تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ زنگ سے محفوظ حصے میں 12.8 فی صد کرومیم تھا۔ یوں اس نے اسٹین لیس اسٹیل دریافت کرلیا۔

اسٹین لیس اسٹیل بے زنگ یا بے داغ فولاد ہے۔ اس میں 10.5 فی صد کرومیم، 1.2 فی صد کاربن اور مختلف مقداروں کے ساتھ دوسری دھاتیں شامل ہیں۔ آج اسٹین لیس اسٹیل کے برتن عام ہیں۔

کاغذ : کاغذ کی ایجاد نے علم کے فروغ میں آسانی پیدا کی۔ قارئین سے سوال ہے کہ اگر کاغذ نہ ہوتا تو کیا ہوتا—؟

جواب یہ ہے کہ کاغذ کی جگہ کوئی دوسری چیز ہوتی جو تحصیلِ علم کے منشا کو پورا کرتی۔ دنیا کا نظام کسی شے کے ہونے نہ ہونے سے نہیں رکتا۔ آج جو چیزیں ہیں، ان کے بغیر بھی ماضی میں زندگی گزری ہے اور جو ماضی میں تھیں اور آج نہیں ہیں، ان کے بغیر بھی زندگی گزر رہی ہے۔ اللہ نے کسی دور میں کسی شے کی کمی نہیں رکھی۔ ہر دور کی ضرورت اُس دور میں موجود رہی ہے۔ یہ آدمی ہے جو چیزوں کی صفات سے واقف ہونے میں وقت لیتا ہے۔

کاغذ سائنس و حکمت سے بھرپور مسلمانوں کے سنہرے دور میں موجود تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ یورپ میں 1450ء سے قبل چند ہزار کتابیں تھیں مگر اسلامی دنیا میں کاغذ کی وجہ سے کتابیں شماریات سے زیادہ تعداد میں لکھی جاتی تھیں اور تقسیم ہوتی تھیں۔ تاریخ دانوں کے مطابق کاغذ کے کاروبار سے وابستہ لوگ اپنے نام کے ساتھ الورق لکھتے تھے۔ جرمن موجد گٹن برگ کے پرنٹنگ پریس کی ایجاد کے بعد یورپ میں ہزاروں کی تعداد میں کتابیں شائع ہونے لگیں۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ کاغذ چین میں ایجاد ہوا۔ سرچ انجن وکی پیڈیا کے مطابق چینی شہری

تسائی لون نے 105ء میں لکڑی کی چھال، باریک جال اور بانس کو باریک کوٹ کر کاغذ تیار کیا۔ وہ ہان خاندان کے شاہی دربار سے منسلک خواجہ سرا تھا۔ اس نے بادشاہ "ہوتی" کو اپنے بنائے ہوئے کاغذ کے نمونے پیش کئے۔ ہان خاندان کی سرکاری دستاویزات میں کاغذ ایجاد کرنے کی تفصیل ملی ہے۔ بادشاہ ایجاد سے بہت خوش ہوا اور اسے اعلیٰ عہدے سے نوازا۔

تسائی لون کے فارمولے کو خفیہ رکھا گیا۔ ایک ہزار سال بعد عربوں کے ذریعے یہ کاغذ یورپ میں استعمال ہونے لگا۔

کاغذ قبلِ مسیح میں مصر میں استعمال ہوتا تھا لیکن تیاری کا طریقہ مشکل اور مہنگا تھا اور یہ جلدی خراب ہو جاتا تھا۔ تسائی لون نے کاغذ سازی کو بہتر اور آسان کیا۔ کاغذ کی تیاری سے چین نے تیزی سے ترقی کی۔

عربوں نے کاغذ بنانے کا فن آٹھویں صدی میں سیکھا۔ بارہویں صدی میں عراق سے یہ فن اسپین پہنچا۔ قرطبہ میں کاغذ سازی کے کارخانے تھے۔ کاغذ پرانے کپڑوں سے بنایا جاتا تھا جسے پارچمنٹ کہتے تھے اس لئے پرانے کپڑے اکٹھے کرنا بھی محنت طلب کام تھا۔ کاغذ کی طلب میں اضافے کے ساتھ اس کی تیاری کے نئے طریقے بھی دریافت ہونے لگے۔

فرانسیسی محقق Reaumur نے سترہویں صدی میں کاغذ بنانے کا کیمیائی طریقہ دریافت کیا۔ وہ سیر کے لئے پارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں بھڑ کا چھتّا نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ کاغذ سے بنا ہے۔ وہ حیران رہ گیا کہ بھڑ نے کیمیائی مادے یا محلول اور دیگر اجزا کے بغیر ایسا گھر کیسے بنا لیا؟

محقق بھڑوں کے نظامِ ہضم کا مطالعہ کر چکا تھا، تحقیق و تفکر اور مشاہدے سے جواب ملا کہ بھڑ نے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں چبا کر تھوک اور معدے میں موجود لعاب کی مدد سے تیار کیا۔

ایجادات بہت ہیں لیکن مضمون لکھنے کے لئے رسالے کے صفحات مختص ہیں۔ ان ایجادات کی طرح بہت سے واقعات کو اتفاق یا حادثہ کہہ دیا جاتا ہے۔ تخلیق کا قانون ہے کہ جب حواس کی مقدار شے کے حواس کے برابر ہوتی ہے تو وہ شے ظاہر ہو جاتی ہے۔

عظیمی

روغن گلوسبز

پُرسکون نیند لاتا ہے

سر کے جملہ امراض اور

ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے

چاند کی کرنیں جذب کر کے تیار کیا جاتا ہے

125ml

Rs. 500

پاکستان بھر میں ہوم ڈلیوری کی سہولت

0332 308 5058

آنکھیں ہیں کہ قندیل میں جلتا ہے چراغ
میں نے اس چراغ میں اپنا عکس دیکھا

بزرگ استاد کے چہرے کی شادابی اور مسکراہٹ مہمان سے قلبی وابستگی کو ظاہر کر رہی تھی۔ ہر کوئی متجسس تھا کہ مہمانِ گرامی میں ایسی کیا خاص بات ہے۔

لمحات کے ہر ٹکڑے میں وقت کا امام موجود ہے۔ ٹکڑوں کو جوڑنے سے اسپیس سمٹتی ہے اور وقت کی صفات کا ادراک ہوتا ہے۔ وقت حرکت ہے اور حرکت کی ابتدا اللہ کے حکم کُن سے ہوئی ہے۔ قرآن کریم میں ہے،

”کیا انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا نہیں گزرا جب وہ ناقابلِ تذکرہ شے تھا؟“

(الدّھر : ۱)

اللہ کے دوستوں نے آدمی کے اندر موجود اصل انسان کو دیکھنے کے لئے وقت اور اسپیس کو اہم بتایا ہے۔ اسپیس فاصلے کو ظاہر کرتی ہے جب کہ وقت فاصلے پر محیط حرکت کا مظاہرہ ہے۔ وقت سے ذہن کی رفتار تیز ہوتی ہے اور فاصلہ اس رفتار کو مدہم کر دیتا ہے لیکن اگر فاصلے کو ثانوی حیثیت دے کر وقت کو زاویۂ نگاہ بنا دیا جائے تو دو لمحات کے درمیان لاعلمی کا خلا علم سے پُر ہو جاتا ہے۔ وقت اور فاصلے کی تفہیم ان خواتین و حضرات کے در سے حاصل ہوتی ہے جن کو اللہ نے اپنا دوست فرمایا ہے۔

”وہ جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ ایام میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر مستوی ہوا۔ وہ رحمٰن ہے۔ تو اس کے بارے میں کسی خبر دار سے پوچھ۔“

(الفرقان : ۵۹)

ایک بار استادِ محترم نے اپنے مونسِ انس و جان مرشد کریم کے بارے میں فرمایا،

”امام سلسلۂ عظیمیہ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ حسن اخریٰ کا فیض عام ہے۔ جتنا چاہو — دامنِ مراد بھر لو۔“

قلندر باباؒ کے نامِ نامی اسمِ گرامی کی تاثیر ہے کہ اس کی نسبت سے جاں پارہ، منتشر الوجود فرد سکون سے آشنا ہو جاتا ہے۔

برسوں پہلے لاہور کی خانقاہ کی تقریب میں ایک مہمان تشریف لائے۔ بزرگ استاد کے چہرے کی شادابی اور مسکراہٹ مہمان سے قلبی وابستگی کو ظاہر کر رہی تھی۔ ہر کوئی متجسس تھا کہ مہمانِ گرامی میں ایسی کیا خاص بات ہے۔

مہمان جب سامعین سے مخاطب ہوئے تو گفتگو کے آغاز میں اپنا تعارف یوں پیش کیا۔

"میں عالمِ جوانی میں شدید بیمار ہو گیا۔ کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو امام سلسلۂ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاؒ کے در پہ حاضر ہوا۔ ابدالِ حق بہت شفقت و محبت سے پیش آئے اور فرمایا، 'آپ خواجہ صاحب کے پاس اندر تشریف لے جائیے'۔ میں نے دیکھا کہ ایک نو عمر لڑکا بیٹھا ہے۔ مایوس ہو گیا کہ یہ میرے درد کا کیا درماں کرے گا؟ خواجہ صاحب مریضوں کو دم کر کے بیمار لہریں زمین میں ارتھ کر رہے تھے۔ مریضوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ارتھ کرنے سے آپ کا دایاں ہاتھ سوج گیا تھا۔ جوں ہی خواجہ صاحب نے مجھے دم کر کے لہریں ارتھ کیں، میرا درد رفع ہو گیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہے، دوبارہ درد نہیں اٹھا۔"

جب تقریب کے مہمانِ خصوصی نے خواجہ صاحب سے مصافحہ کیا تو انہوں نے سینے سے لگایا اور آنکھوں کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا،

" جن آنکھوں نے محبوب کو دیکھا ہے، وہ آنکھیں مبارک ہیں۔"

ایک روز مراقبہ میں ابدالِ حق کی آنکھوں کی زیارت ہوئی۔ دل نے کہا،

؎ آنکھیں ہیں کہ قندیل میں جلتا ہے چراغ
میں نے اس چراغ میں اپنا عکس دیکھا

دوست کی آنکھ میں وقت کا عکس ہے۔ آنکھ کی پُتلی جب سکڑتی ہے تو زمانۂ ازل کی یاد دلاتی ہے اور جب پھیلتی ہے تو کئی ادوار عکس ریز ہوتے ہیں۔ محسوس ہوا کہ ان آنکھوں کی حرکت سے میری زندگی کے لمحات گردش میں ہیں۔ پہلے ذہن کسی سے وابستگی کو قبول کرتا ہے پھر وابستگی کا ظہور ہوتا ہے۔

قلندر باباؒ کی تعلیمات پر عمل سے سالک کی فکر و عمل میں انقلاب آتا ہے۔ سالک جب ابدالِ حق کی نسبت سے خاتم النبیین حضرت محمدؐ

کے دربار میں حاضری چاہتا ہے اور کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے تو آنکھ ہر طرف کائناتی علوم کی لہریں موجزن دیکھتی ہے۔

کائناتی علوم نوعِ آدم کی میراث ہیں جو اسے اوجِ کمال عطا کرتے ہیں۔ علم (علوم) کا مفہوم صفات اور صلاحیت ہے کیوں کہ ہر علم کسی صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ علم سے کردار تعمیر ہوتا ہے ۔ اگر کوئی فرد اپنے اندر میں صلاحیت کو خالق کے حکم سے جدا سمجھتا ہے تو وہ کرداری قوّت سے محروم ہے۔

لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ حالات ہماری منشا سے تبدیل نہیں ہوتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی منشا سے واقف نہیں ہیں اور نہ واقف ہونے کے لئے محنت کرتے ہیں۔ ہر فرد اپنی خواہش کو جائز سمجھتا ہے۔ عزازیل نے بھی ایسا ہی سمجھا اور راندۂ درگاہ ہوگیا۔ خواہش اللہ کی پسند کے مطابق نہ ہو تو آدمی بے سکون ہو جاتا ہے۔ کیا بے سکونی، سکون سے بے دخل ہونا نہیں ہے؟ بالفاظ دیگر راندۂ درگاہ ہونا نہیں ہے؟

شکوہ ناشکری ہے۔ شکر ادا کریں کہ اللہ کی مشیّت کیسی کیسی نوازشات کرتی ہے۔

آئینہ اور پانی میں قدرِ مشترک ہے، دونوں میں عکس نظر آتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ آئینہ اور پانی کے معانی کس قدر وسیع ہیں۔

محترم استاد یہ شعر پڑھتے ہیں،

؎ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی، دیکھ لی

آئینۂ قلب میں محبوب کا جمال جلوہ گر ہو تو فہم وادراک یک در سفر کرتے ہیں۔

بزرگ راہ نما کی لکھی ہوئی کیفیات میں پڑھا،

''چودہویں کی رات تھی، دیکھا کہ چاند میں قلندر بابا اولیاؒ کی شبیہ روشن ہے۔ چاند قلب میں اتر آیا اور جسم روشن ہو گیا۔''

ایک شب مراقبہ کے دوران آواز سنائی دی،

''قلندر باباؒ، شاگردِ رشید کو محبوب رکھتے ہیں۔''

شاگرد باادب ہو جاتا ہے تو مرشد کا التفات بڑھ جاتا ہے۔ وہ اسے فنافی الرسولؐ اور فنافی اللہ کے درجے تک لے جاتا ہے۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ کا فیضانِ نبوت یعنی روحانی علوم کا ورثہ اولیاء اللہ کو منتقل ہوتا ہے۔ سلاسلِ طریقت روحانی ورثے کے محافظ ہیں

اور اس کی تبلیغ کے فرائض انجام دیتے ہیں تاکہ دنیا کا ہر باسی ان علوم کی تفہیم سے محروم نہ رہے۔ نبی مکرمؐ کے روحانی علوم کا ایک شعبہ تخلیقِ کائنات کے فارمولے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کو علمِ لدنّی کہا گیا ہے۔ ان علوم کی بنا پر انسان مسجودِ ملائک ٹھہرا۔

بزرگ استاد فرماتے ہیں،

"علم دو طرح سے منتقل ہوتا ہے۔ ایک خاندانی ورثے کے طور پہ مادی وسائل (کتاب، قلم) کے بغیر— اس کی مثال مادری زبان ہے۔ دوسرا ماحول اور معاشرے سے منتقل ہوتا ہے۔"

پیغمبران کرام علیہم السلام کا ورثہ رحمانی طرز فکر ہے اس لئے ان کی طرز فکر یعنی علم، یقین اور ثابت قدمی بطور ورثہ منتقل ہوتی ہے۔ اسی طرح شک، نافرمانی، جھوٹ، غیبت اور حسد بھی ورثہ ہے جو شیطنت سے منتقل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سیرتِ طیبہؐ پر عمل کرنے والا فرد محبت اور یقین کے ورثے سے آراستہ ہے۔

باطنی علوم ادب کا درس دیتے ہیں۔ جب مرید، مرشد کے قدموں کو نشانِ منزل بناتا ہے تو کامیاب و کامران ہو جاتا ہے۔

ایک موقع پر استادِ محترم نے فرمایا،

"مرید جب مرشد کے ذہن کو قبول کرتا ہے تو مرشد کا عکس بن جاتا ہے۔ ایک نیگیٹو ہے، ایک پوزیٹو ہے۔ پوزیٹو کی اصل نیگیٹو ہے۔"

میں نے اس بات پر بہت غور کیا۔

ہم جس کی پیروی کرتے ہیں، اس کی صفات منتقل ہوتی ہیں۔ اللہ کے دوستوں سے دوستی کرتے ہیں تو اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا، صحیح معنوں میں پیروی سے ہم خوف و غم سے دور ہو جاتے ہیں۔ مرید جب اپنی نفی کر کے مرشد کے ذہن کا اثبات کرتا ہے تو مرشد کی طرز فکر منتقل ہو جاتی ہے اور مرشد کی طرز فکر سیرتِ طیبہؐ کی پیروی ہے۔

استادِ محترم نے ایک صاحب کو دوسرے بچے کی پیدائش پر فرمایا،

"اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر کو اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔ سلسلہ کی تعلیمات کے مطابق ان کی تربیت کیجئے۔ آپ نے ایسا کر دیا تو دونوں جہاں میں اللہ رسولؐ کی قربت نصیب ہو گی، انشاءاللہ۔"

محمد عثمان

الہامی صلاحیت

شمالی افریقی ملک تیونس کے ریگستان کی چیونٹی سفید ریت میں بنے بل میں سے نکل کر خوراک کی تلاش میں دور، بہت دور تک نکل آتی ہے، ایک جگہ خوراک مل جاتی ہے۔ ریگستان میں جہاں ہوا کے زور پر ریت مسلسل جگہ بدلتی ہے، چیونٹی اتنی دور آنے کے بعد غذا لے کر واپس اپنے بل میں کیسے جاتی ہے؟

تجسس آدمی کو کہاں کہاں نہیں لے جاتا۔ ماہرین کو قدرت کی ننھی مخلوق چیونٹی کے بارے میں خیال آیا کہ یہ گھر کا راستہ کیسے تلاش کرتی ہے۔ تلاش شمالی افریقی ملک تیونس لے گئی جہاں انہوں نے صحرائی چیونٹیوں کے بارے میں عرق ریزی سے معلومات اکٹھی کیں۔

چیونٹیاں ذہین مخلوق ہیں اور زندگی گزارنے کے طور طریقوں سے آگاہ ہیں۔ کیسے ہی حالات ہوں، اپنے بلوں میں پہنچ جاتی ہیں۔

موجودہ دور میں قطب نما اور دیگر طریقوں سے سمتوں کے بارے میں راہ نمائی حاصل کرنے والا آدمی سوچتا ہے کہ چیونٹیوں کے پاس سیل فون ہے نہ سمت بتانے والی ایپلی کیشن پھر یہ کس ٹیکنالوجی سے مدد لیتی ہیں؟

تحقیق سے مختلف اشارے ملے۔

کون سا اشارہ زیادہ قابلِ اعتبار ہے، فیصلہ قارئین کریں۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ سرخ جنگلی چیونٹیاں چلتے ہوئے بُو اور کیمیائی نشانات چھوڑتی جاتی ہیں جن کی وجہ سے یہ قریب دور فاصلہ طے کر کے گھر پہنچ جاتی ہیں۔ ریگستان میں اس قسم کے نشانات کا قائم رہنا ممکن نہیں ہے پھر صحرائی چیونٹیاں کیا طریقہ اختیار کرتی ہیں؟

ریگستانی چیونٹیاں 70 ڈگری سینٹی گریڈ کی جھلسا دینے والی گرمی میں بلوں سے خوراک

کی تلاش میں نکلتی ہیں، سورج کی سخت تمازت اور گرم ریت پر ایک گھنٹے تک چل پھر سکتی ہیں۔ ان چیونٹیوں کو اس ایک گھنٹے کے دوران غذا تلاش کرکے اور راستہ بھولے بغیر گھر پہنچنا ضروری ہے۔ ذرا سی بھول چوک ان کے خاتمے کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

شمالی افریقی ملک تیونس کے تپتے ریگستانوں میں چیونٹیوں کی ایک کالونی کو تحقیق کا محور بنایا گیا۔ محققین نے ان کی نقل و حرکت دیکھنے کے لئے صبح دھوپ تیز ہونے سے پہلے ان کے بلوں کا جائزہ لے کر مربع نما نشان زد کیا پھر قریب بیٹھ کر چیونٹیوں کے باہر نکلنے کا انتظار کیا۔ ایک چیونٹی بل سے نکلی، اسے بل کے پاس محققین کی رکھی ہوئی کھانے کی کوئی چیز ملی۔ جیسے ہی محقق نے کچھ دیر کے لئے اس کا راستہ روکا تو چیونٹی نے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے فوراً مختلف دھبے چھوڑنا شروع کر دیے۔

رویے کا جائزہ لے کر قیاس کیا گیا کہ اگر چیونٹی نشانات چھوڑنے کا خاص طریقہ استعمال کرتی ہے تو دھبّے چھوڑنے سے پہلے اس جگہ کی نشاندہی کرتی جہاں راستہ روکا گیا۔ اس نے ایسا نہیں کیا اور سیدھی بل میں گھس گئی۔

مذکورہ ٹیم نے ایسے تجربے مختلف جگہوں پر مختلف چیونٹیوں کے ساتھ کرکے ایک ہی نتیجہ حاصل کیا۔ چیونٹی زمین پر گھومنے پھرنے کے بعد اپنے بل میں چلی جاتی۔ اس سے اندازہ لگایا گیا کہ چیونٹیوں کا اعصابی نظام اس سلسلے میں ان کا معاون و مددگار ہے۔ اعصابی نظام میں موجود نیورانز کی مدد سے یہ نئی جگہ پہنچنے کے باوجود گھر کا راستہ نہیں بھولتیں۔

10 فی صد کے قریب چیونٹیاں ایسی تھیں جن کو پانچ سو میٹر کے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اپنا گھر تلاش کرنے میں مشکل پیش آئی۔ سبق آموز نکتہ یہ ہے کہ چیونٹیوں نے غلطی کے امکان کو مدنظر رکھا۔ بالکل درست سمت نہ مل سکی تو متوازی لائنوں میں آگے پیچھے چلتی ہوئی اپنے بل تک پہنچ گئیں۔

محققین نے تحقیقات کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے منفرد مشاہدات سے دلچسپ نتائج اخذ کئے۔ مثلاً انسانی آنکھ کے مقابلے میں صحرائی

چیونٹی کی آنکھ میں ایک ہزار لینس (عدسے) ہوتے ہیں، انسانی آنکھ میں صرف ایک لینس ہوتا ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ چیونٹی کی ہر آنکھ میں 80 ایسے عدسے ہوتے ہیں جن کی مدد سے آسمان سے مختلف سمتوں سے آنے والی قطبی روشنیوں کے ہجوم میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اس بات کو غور سے پڑھیئے۔

سورج کی روشنی زمینی فضا میں داخل ہو کر ہوا اور دیگر گیسوں کے سالمات سے ٹکرا کر مختلف سمتوں میں منتشر ہو جاتی ہے۔ روشنی کا یہ انتشار "قطبیت" کہلاتا ہے۔ مختلف سطحوں سے گزر کر یہ روشنی ایک سطح پر مرتکز ہوتی ہے۔ اس مظہر سے ایک واضح اور مستحکم قطبیت کا عمل واقع ہوتا ہے جو سورج سے زاویۂ قائمہ (90 ڈگری کا اینگل) بناتا ہے۔

محققین نے اندازہ لگایا کہ صحرائی چیونٹی کی آنکھ میں موجود عدسی نظام نے اس قطبیت کی وجہ سے آسمان سے آنے والی روشنی میں اپنی راہیں ڈھونڈیں۔ جب چیونٹی رکی تب اس نے سر گھما کر قطبیت کی سمت تلاش کی۔ اس طرح چیونٹی کو گھر کی سمت سمجھنے میں آسانی ہوئی اور وہ سارا راستہ یہی عمل دہراتی رہی۔ جب کسی مقام پر گھر کی نشاندہی میں ناکامی ہوئی تو بڑے خوب صورت نمونے دار دائرے بنا کر اور ان میں گھوم کر بالآخر گھر پہنچ گئی۔

دائروں میں گھوم کر گھر کا راستہ تلاش کرنا اپنی جگہ ایک اہم نکتہ ہے۔ محققین کی ٹیم اس کی تفصیل میں نہیں گئی۔ لگتا یہ ہے کہ دائرے کی صفات سے ناواقفیت کی وجہ سے انہوں نے دائروی پہلو کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا۔

سفر کے ہر مرحلے پر ہر چیونٹی کو یہ معلوم تھا کہ اپنے گھر سے وہ کتنی دور ہے اور گھر کس سمت میں ہے۔ ریگستان میں ایسی یادداشت اور سمتوں کی پہچان رکھنا حیران کن ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ چیونٹیوں کو غذا ملنے کی سمت اور وقت معلوم نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ معلوم ہو اور وہ غذا کی تلاش کے لئے معلوم شدہ مقام تک پہنچنے کی تگ و دو میں ہوں۔

اس مفروضے کو سمجھنے کے لئے تحقیق دانوں نے چیونٹیوں کے اوپر کئی آئینے لگا دیے تاکہ انہیں آسمان پر سورج کی درست سمت کا پتہ نہ

چلے۔ مشاہدہ یہ ہوا کہ چیونٹیوں نے سورج کی ہر نئی سمت پر اپنا رخ تبدیل کیا۔

اس سے نیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔

سورج سارا دن آسمانی فضا میں گردش کرتا ہے، ایسے میں چیونٹیوں کو بھٹک جانا چاہئے۔ بات کو سمجھنے کے لئے جیسے ہی چیونٹیاں خوراک کی جانب لپکیں، محققین نے ان کے اوپر ڈبہ رکھ کر اس میں قید کر دیا۔ چیونٹیاں قید میں چند ایک گھنٹے تک رہیں۔ اس دوران وہ سورج اور اس کی حرکات نہیں دیکھ سکیں۔ توقع یہ تھی کہ ڈبہ اٹھائے جانے پر گھر تلاش کرنے میں دقّت ہوگی۔ اگر چیونٹی سورج کے بل بوتے پر آگے بڑھتی تو یقیناً غلطی کرتی یعنی سورج مسلسل حرکت میں ہے لہٰذا چیونٹی غلط سمت یا بل سے متضاد سمت کی طرف چلی جاتی۔

تجربے سے یہ بات سامنے آئی کہ صحرائی چیونٹیاں وقت اور اس کے گزرنے کے عمل سے واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورج کی روشنی کے بغیر بھی انہوں نے کوئی حل تلاش کرکے گھر کی راہ لی۔

کہا جاتا ہے کہ ہر جان دار میں ایک ”قدرتی حیاتیاتی گھڑی“ نصب ہے جس سے وہ اپنے ہدف* کا تعین کرتا ہے۔ صحرائی چیونٹیاں بھی ”اندر“ میں نصب قدرتی حیاتیاتی گھڑی سے سورج کی حرکات کا تعین کرتی ہیں۔

سوال یہ ابھرتا ہے کہ ان چیونٹیوں کو بالکل درست فاصلے کے تعین کا کیسے معلوم ہوا—؟ اگر انہیں کوئی خاص زاویہ اختیار کرنا یا سمت کا تعین کرنا معلوم ہے تو درست فاصلے کے بارے میں صحیح فیصلہ حیران کن ہے۔

ننھی منی ذہین مخلوق کی بابت ایسا انکشاف ہوا کہ ماہرین حیران رہ گئے۔ انہوں نے تین مفروضے قائم کرکے وضاحت کی۔

○

چیونٹیاں خوراک تک پہنچنے کے لئے خرچ شدہ توانائی کی مقدار کا حساب کتاب لگاتی ہیں، واپسی کے لئے بھی توانائی کی اتنی ہی مقدار کا تعین کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ گھر واپسی کے لئے اضافی توانائی خرچ کی گئی اور جس مقام پر مقررہ توانائی ختم ہوئی، وہی منزل تھی۔

مفروضے کی سچائی جاننے کے لئے محققین

* ہدف (منزل)

نے چیونٹیوں کے غذا تک پہنچنے کے بعد اُن پر اضافی بوجھ رکھ دیا۔ خیال تھا کہ اضافی بوجھ سے اضافی توانائی خرچ کر کے بلوں میں پہنچنے میں ناکامی ہوگی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ زائد بوجھ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے گھر پہنچنے کا ممکنہ مختصر راستہ اختیار کیا۔

○○

محققین کی توجہ چیونٹیوں کی بصری قوت کی جانب مبذول ہوئی۔ خیال تھا کہ چیونٹیاں بصری یادداشت کے تحت فاصلہ یاد رکھتی اور طے کرتی ہیں۔ اگر انہیں راستے میں ان کے بل سے ملتی جلتی کوئی جگہ نظر آگئی تو ہو سکتا ہے، وہ اسے اپنا بل سمجھ لیں۔ اس تجربے کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے انہوں نے یہ کیا کہ چیونٹیوں کے خوراک تک پہنچنے کے بعد اُن کی آنکھوں کو احتیاط سے ڈھانپ دیا گیا۔ معلوم ہوا، یہ بصری دھوکا بھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا، دوسرے لفظوں میں چیونٹیوں نے کسی بھی مرحلے پر بصری یادداشت کا سہارا نہیں لیا اور بخیر و عافیت گھر پہنچ گئیں۔

دوسرے مفروضے کو مزید سمجھنے کے لئے چیونٹیوں کے سامنے بڑی ٹی وی اسکرین رکھ کر ریگستان سے گزرنے جیسا ماحول پیدا کیا لیکن یہاں بھی یہ چیونٹیاں اتنی ہوشیار ثابت ہوئیں کہ مصنوعی ماحول کے فریب میں نہیں آئیں اور بحفاظت گھر کی راہ لی۔

○○○

محققین کا تیسرا مفروضہ چیونٹیوں کے قدم شمار کرنے کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ صحرائی چیونٹیاں قدموں کی پیمائش کا کوئی پیمانہ استعمال کر کے مخصوص فاصلہ طے کرتی اور اتنے ہی قدم گن کر اپنی منزل پر پہنچتی ہوں۔ انہیں معلوم ہوا کہ کچھ مخصوص چیونٹیوں کے خوراک تک پہنچنے کے بعد ان کی چھوٹی بال دار ٹانگیں اصل ٹانگوں سے جڑ گئیں جس سے وہ لمبی ہو گئیں اور انہوں نے لمبے لمبے ڈگ بھر کر فاصلہ طے کیا۔ چیونٹیوں کا ایک گروپ ایسا ملا جس کی ٹانگیں دوسری چیونٹیوں سے چھوٹی تھیں۔

محققین نے ان دونوں اقسام کی چیونٹیوں کے گھر کا فاصلہ طے کرنے کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ چھوٹی ٹانگوں والی چیونٹیاں سمجھیں کہ وہ پہلے گھر پہنچ گئی ہیں جب کہ لمبی ٹانگوں والی چیونٹیوں نے خاصا وقت لیا۔ محققین نے قیاس کیا کہ یہ چیونٹیاں قدموں کی گنتی کر کے فاصلہ

طے کرتی ہیں۔

اسی تحقیقاتی ٹیم نے چھوٹی بڑی ٹانگوں والی چیونٹیوں کی ایک دوسری قسم کو ان کے بلوں سے روانہ کیا۔ دونوں قسم کی چیونٹیاں خوراک لے کر صحیح وقت پر بلوں میں پہنچ گئیں۔

قطع نظر اس کے کہ اندازہ صحیح ہے یا غلط، تحقیق کرنے والے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حقیقت کی تلاش میں ہر مرحلے پر دلچسپ اور فکر طلب نکتے پر توجہ رکھی۔

آدمی فاصلے کی پیمائش تکونیات (ٹرگنومیٹری) کے اصولوں اور پیمائشی آلات سے کرتا ہے جب کہ خالقِ کائنات اللہ نے تکونیات اور سمت شناسی کی دوسری صلاحیتیں ننھی مخلوق چیونٹی کی سکت کے مطابق الہامی طور پر ودیعت کردی ہیں۔ تیونس کے ریگستان میں تحقیق کرنے والی ٹیم اس نتیجے پر پہنچی کہ چیونٹیاں ہمیشہ اپنی سمت اور گھر کا راستہ اسی ودیعت کردہ الہامی صلاحیت سے یاد رکھتی ہیں۔

آدمی کو ننھی مخلوق چیونٹی کے بارے میں ایسی خصوصیات جاننے کے بعد خالقِ کائنات کی عظمت کا ادراک ہو جاتا ہے۔

دھوکا ---؟

دوست نے دوسرے دوست سے کہا، دنیا دھوکا ہے۔ نہ تم کہیں ہو اور نہ میں۔ نہ تم مجھے دیکھ رہے ہو نہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ نہ تم میری آواز سن رہے ہو نہ میں تمہاری آواز سن رہا ہوں۔ نہ میں تمہیں جانتا ہوں اور نہ تم مجھے جانتے ہو۔ میری اور تمہاری آواز، میرا اور تمہارا دیکھنا، ہم دونوں کا سننا، ہماری دوستی، ہمارا وجود اور جس جگہ پر ہم بیٹھے ہیں اور اسے زمین کہہ رہے ہیں، سب دھوکا (الوژن) ہے۔

دوسرے دوست نے سنجیدگی سے پہلے دوست کی بات سنی۔ کچھ سوچا اور پھر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ پہلا دوست اس افتاد کے لئے تیار نہ تھا، درد سے بلبلا اٹھا اور غصے سے کہا، یہ کیا طوفانِ بدتمیزی ہے؟ میں نے ایسا کیا کہہ دیا؟ کیا دنیا کی حقیقت بتانے پر میں اس سلوک کا روادار تھا؟

دوسرے دوست پر پہلے دوست کی تکلیف کا رتّی برابر اثر نہ ہوا --- اطمینان سے بولا، یہ دنیا، میں اور تم سب دھوکا ہیں، یہ تھپڑ بھی دھوکا ہے۔

قارئین خواتین و حضرات! آپ یہ تجربہ ہرگز مت کیجئے البتہ دوستوں کی گفتگو پر اپنی رائے لکھ کر "ماہنامہ قلندر شعور" کو بھیج دیجئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰسین شریف، قرآن کریم کا مکمل نسخہ اور ۳۰ سپاروں کا سیٹ

دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ساتھ اندرونی صفحات میں

خوب صورت ڈیزائن کردہ خط (font)

جس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ آیات بآسانی پڑھی جاسکیں۔

زیادہ سے زیادہ لوگوں میں ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیجئے۔

ملنے کا پتہ:

عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4، سرجانی ٹاؤن، کراچی، پاکستان۔

+92-(0)21-36417843
+92-(0)305-4435207

عظیمی یونیورسٹی پریس®
AZEEMI UNIVERSITY PRESS

زیر سرپرستی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

QALANDAR SHAOOR ACADEMY
HYDERABAD - PAKISTAN

★ قلندر شعور اکیڈمی ★

مراقبہ ہال حیدرآباد

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کر سکتے ہیں۔

★ ★ ★

روحانی علوم کے متلاشی، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات کے لئے خوش خبری

گلشنِ شہباز، نزد ٹول پلازہ، جامشورو حیدرآباد، 71000، پاکستان

فون نمبر: 0331-3615533 ، 0333-2695331

تجمل
Tajammal

IATA
ACCREDITED AGENT
IATA Code: 27342433

تجمل ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

تجمل للسفريات (الخاصه) المحمدوده

ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ

ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ

UMRAH
عمرہ سروس

بجٹ پیکج
اکانومی پیکج

5 ہوٹل کی بکنگ

ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز

شبعة تی ایچ اے 〈THA〉 لتطور الامور تتعلق بالعمال/الموعطفين الاجانب

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR
(خصة تسعة:۴۱۸۹/ایل ایچ آر

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa

thaoep1@gmail.com

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر
ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

+92 300 6654 211
+92 302 1165 300
+92 321 6680 266
+92 41 2641 904

رانا تجمل حسین
CEO

Office No. 54, Gate No. 5, Iqbal Stadium. Faisalabad. PK

Canderel®
with Stevia
Naturally Sweet
Zero Calorie Sweetener
Available in Tablets, Sachets and Jars
SEARLE

دنیا ایک ساعت ہے

فارسی ادب میں ”مثنوی مولوی معنوی“ کا منفرد مقام ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف چھ دفاتر پر مشتمل ہے جن میں اشعار کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مثنوی کی تصنیف کا سبب مولانا رومؒ کے مرید حسام الدین چلپی بنے۔ مولانا رومؒ نے دفترِ اول کے علاوہ ہر دفتر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ مثنوی دلچسپ پیرائے میں ظاہر و باطن کا احوال ہے جس سے ہر شخص فہم و فراست کے مطابق حکمت حاصل کرتا ہے۔ یہ مثنوی سادگی، روانی، منقولات و معقولات، نصیحت آمیز جملوں، تلمیحات و استعارات اور دلچسپ واقعات و تمثیلات کی وجہ سے ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ ”ماہنامہ قلندر شعور“ کے قارئین کے لئے مولانا رومؒ کی مثنوی کا اردو ترجمہ اختصار کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

شیر کے اچانک حملوں سے بچنے کے لئے جنگل کے جانوروں نے فیصلہ کیا کہ قرعۂ فال جس کے نام آئے گا، وہ شیر کی غذا بنے گا۔ جب قرعہ خرگوش کے نام آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش سے کام لیا اور اس دوران میں جنگل کے باسیوں کو شیر سے نجات دلانے کی ترکیب سوچی۔ وہ ہوشیاری سے شیر کو کنوئیں تک لایا، شیر نے کنوئیں کے پانی میں اپنے مقابل دوسرا شیر اور شیر کی بغل میں خرگوش دیکھا تو مارنے کے لئے کنوئیں میں کود پڑا۔

خرگوش موت کے پنجے سے چُھوٹا اور شیر کو اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوتا دیکھا تو خوشی سے قلابازیاں کھاتا ہوا چراگاہ کی طرف دوڑا۔ خوشی کا سماں ایسا تھا جیسے شاخ اور پتّے ہوا میں سبز اور رقصاں ہوتے ہیں۔ جب شاخ اور پتّے مٹی کی قید سے آزاد ہوئے تو سر ابھارا اور ہوا کے دوست ہوگئے۔ پتّوں نے شاخ کو چیرا، یہاں تک کہ درخت کے اوپر تک پہنچ گئے۔

شطاہ* کی زبان سے اللہ کا شکر ہر برگ و بار الگ الگ ادا کر رہا ہے۔ ہر پھل، پتّا اور شاخیں

---

* شطاہ (سبز شاخ جو سب سے پہلے زمین سے نکلتی ہے۔)

شکر اور تسبیح کا راگ سناتے ہیں کہ عطا کرنے والے نے ہماری جڑ کی پرورش کی یہاں تک کہ درخت تناور ہو گیا۔ پانی اور مٹی میں مقیّد جانیں جب پانی اور مٹی سے آزاد کی جاتی ہیں تو عشقِ الٰہی سے سرشار ہوا میں رقصاں ہوتی ہیں، چودھویں کے چاند کی طرح بے نقصان ہو جاتی ہیں۔ ان کے جسم رقص کرتے ہیں، جانوں کے متعلق نہ پوچھ اور جو مجسمِ جان بن جاتے ہیں، ان کے بارے میں بھی نہ پوچھ*۔

شیر کو خرگوش نے قید خانے میں ڈال دیا۔ جو شیر خرگوش سے مات کھائے، اس کے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اے غافل! تو شیر ہے اور تیرا نفس خرگوش۔ تو اس سے مار کھا گیا تو ذلت تیرے لئے ہے۔ اس پر تعجب ہے کہ تو چاہتا ہے کہ تجھے اچھا لقب دیا جائے۔

اے غافل! تو زمانے کے کنوئیں کی گہرائی میں شیر جیسا ہے۔ تیرا نفس خرگوش کی طرح ہے جو قہر سے تیرا خون بہاتا ہے۔ تیرا نفس جنگل کے اندر چرنے میں مشغول ہے اور تو چون وچرا* کے کنوئیں کی گہرائی میں ہے۔

خرگوش دوڑا کہ اے قوم! خوش خبری سنو! خوش خبری دینے والا آ گیا۔ مبارک، مبارک کہ وہ جانوں کا دشمن، اللہ کے قہر نے اس کے دانت توڑ دیے۔ مبارک، مبارک، ظالم کنوئیں میں گر گیا۔ جس نے پنجے یعنی طاقت کے گھمنڈ میں بہت سے جانوروں کو ہلاک کیا، موت کی جھاڑو نے اس کو کوڑے کی طرح پھینک دیا۔ جس کو ظلم کے سوا دوسرا کام نہ تھا، مظلوم کی آہ نے اس کو پکڑ لیا اور تباہ کر دیا۔ شیر کی وجہ سے جن مشقّتوں میں ہم جکڑے ہوئے تھے، ہماری جان مشقّت کی قید سے رہائی پا گئی۔ اللہ کی مہربانی سے وہ گم اور نابود ہو گیا اور عظیم دشمن سے تمہیں سبق مل گیا۔

جانور خرگوش کے پاس جمع ہوئے اور اس کی مدح کی۔ انہوں نے حلقہ کر لیا۔ خرگوش شمع

---

* جیسے نباتات زمین کی قید سے نکل کر لہلہاتی ہیں، عیب سے پاک نیک لوگوں کی روحیں عنصری جسم کی قید سے آزاد ہو کر خوشی سے رقص کرتی ہیں۔ ان کی جانوں کا کیا پوچھنا کہ کس کیفیت میں رقص کرتی ہیں۔

* چون وچرا (سوال وجواب، شک وشبہ)

کی طرح درمیان میں تھا۔ صحرائی جانوروں نے اس کی تعظیم کی کہ تو آسمانی فرشتہ ہے یا پری ہے؟ یا تو نر شیروں کا ملک الموت ہے؟ تو جو کچھ بھی ہے، ہماری جان تجھ پر قربان ہے۔ اللہ نے یہ پانی تیری نہر میں بہایا۔ تیرے دست و بازو کو شاباش ہے۔ یہ قصہ پھر کہہ تاکہ ہمارے درد کا علاج بن جائے۔ یہ بتا کہ تو نے شیر کو ہلاک کرنے کی تدبیر کیسے سوچی؟ ظلم کو چالاکی سے کیسے پامال کیا؟ پھر سنا، کیوں کہ یہ قصہ خوشی بڑھانے والا ہے۔ روح کے لئے غذا اور دل کے لئے جان کو بڑھانے والا ہے۔

اس نے کہا، اے بزرگو! اللہ کی تائید تھی ورنہ خرگوش دنیا میں کیا چیز ہے۔ اس نے مجھے قوت عطا فرمائی اور دل کو نور دیا۔ دل کے نور نے ہاتھ اور پیر کو طاقت دی۔

خرگوش نے جانوروں کو نصیحت کی کہ دشمن کے مرنے پر خوش نہ ہو۔ فضیلتیں اللہ کی طرف سے ملتی ہیں پھر اللہ کی جانب سے ہی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ سمجھو کہ سب اللہ کا فضل ہے۔ جان اور دل سے اسے سجدہ کرو۔ اللہ بار بار اہلِ گمان اور اہلِ مشاہدہ کو نشانیاں دکھاتا ہے۔ دنیا کی کسی حالت کو قرار نہیں ہے۔ خبردار! تغیر والی سلطنت پر خوش نہ ہو۔ اے مخاطب! تو تغیر سے وابستہ ہے۔ جو تغیر سے واقف ہو گیا، اس کا نقّارہ سات ستاروں سے اوپر بجتا ہے، اس کی روح محبتِ الٰہی کی شراب سے سیراب ہوتی ہے۔ اے غافل! کس وجہ سے تیری مونچھوں میں ہوا بھری ہے؟

دنیا ایک ساعت ہے۔ اس کے تغیر سے واقف ہونے والا راحت میں ہے۔ "چھوڑنا راحت ہے" کا مطلب سمجھ لے، اس کے بعد بقا کا پیالہ پی۔ اس مردار کو حریصوں کے لئے چھوڑ دے اور غرور کے شیشے کو چُورا چُورا کر دے۔

اے بزرگو! ہم نے باہر کے دشمن کو مار ڈالا لیکن اس سے زیادہ بدتر دشمن باطن میں ہے۔ باطن کا شیر یعنی نفسِ امّارہ، خرگوش کے قابو کرنے کا نہیں ہے۔ نفسِ امّارہ دوزخ ہے اور دوزخ اژدہا ہے کہ اس کی پیاس سات سمندر پی جانے سے بھی نہیں بجھتی۔ دوزخ کی خوراک پتھر اور انکار کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ ذلت کے ساتھ اس میں داخل ہوں گے۔ اس قدر خوراک سے بھی اس کو سکون نہ ہو گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو یہ

ندا آئے گی، ”تیرا خوب پیٹ بھر گیا؟“ وہ کہے گی۔ ”ابھی نہیں۔“

زہے آگ، زہے تابش، زہے جلن

اس نے دنیا بھر کو لقمہ بنایا اور نگل گئی۔

چوں کہ ہمارا نفس (میں) دوزخ کا حصہ ہے اور اجزا ہمیشہ کُل کی طبیعت رکھتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی اس کی پیاس بجھے گی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو اس (دوزخ) کی کمان کو کھینچے—؟ کمان میں سیدھا تیر رکھتے ہیں۔ اس کمان کے الٹے ٹیڑھے تیر ہیں۔ تیر کی طرح سیدھا ہو اور کمان سے چھوٹ جا اس لئے کہ سیدھا تیر کمان سے چھوٹ جاتا ہے۔

اے مخاطب! میں ظاہری جنگ سے فارغ ہو گیا ہوں، باطنی جنگ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ہم نبی مکرمؐ کے سہارے جہادِ اکبر یعنی نفسِ امّارہ سے جنگ میں ہیں۔ میں اللہ سے سمندر کو چاک کر دینے والی قوت چاہتا ہوں تا کہ اس کوہِ قاف کو سوئی سے اکھاڑ دوں۔ وہ شیر (بننا) آسان ہے جو صفیں پھاڑ دے لیکن شیر وہی ہے جو خود کو شکست دے اور اللہ کی مدد سے اللہ کا شیر بن جائے۔

انا اور تکبر

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے اپنے شاگردِ رشید عظیمی صاحب کو ایک واقعہ سنایا۔

”ایک روز بارگاہِ نبویؐ میں شیطان حاضر ہوا۔ خاتم النبیین حضرت محمدؐ نے دریافت فرمایا، کیسے آنا ہوا؟

ابلیس نے دست بستہ عرض کیا، اللہ نے آپؐ کو عالمین کے لئے رحمت بنایا ہے۔ ان ہی عالمین کا ایک فرد میں بھی ہوں۔ آپؐ کی رحمت میرے لئے بھی ہونی چاہئے۔

حضور پاکؐ نے فرمایا، کہو۔

شیطان نے عرض کیا، بارگاہِ رب العزت سے معافی دلوا دیجئے۔

رحمۃ للعالمین حضور پاکؐ نے فرمایا، ٹھیک ہے لیکن تم اب یہ کرو کہ آدمؑ کی قبر پر چلے جاؤ اور صرف اتنا کہہ دو کہ میں آپ کی حاکمیت قبول کرتا ہوں۔

شیطان بولا، واہ صاحب! آپؐ بھی کمال کرتے ہیں۔ جس کی زندگی میں نہیں مانا، اب مٹی کے ڈھیر پر جا کر اس کی حاکمیت تسلیم کر لوں۔

یہ کہہ کر ابلیس فرار ہو گیا۔“

اظہر حسین

فریب یا حقیقت ۔۔۔؟

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کوئی کہتا کہ میں ہوا میں اڑ سکتا ہوں تو لوگ مذاق اڑاتے۔ آج جہاز میں بیٹھ کر سب اڑ سکتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ جہاز اڑتا ہے، ہم نہیں اڑتے۔ ذرا ٹھہریئے! ہم بھی اڑتے ہیں اور یہ فن ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے قدرت نے ہمیں عطا کیا ہے۔

زندگی فریب یا حقیقت ۔۔۔؟

یہ موضوع ہزاروں سال سے زیرِ بحث ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی سراب ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ 60 سال کے فرد سے پوچھا جائے کہ بچپن گزرے کتنا عرصہ ہوا تو وہ سرد آہ بھر کر کہتا ہے، کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برعکس رائے رکھنے والے کہتے ہیں کہ زندگی ہی سب کچھ ہے، اس سے پہلے اور بعد میں کچھ نہیں۔ یہ دو زاویے ہیں۔ تفکر طلب ہے کہ زندگی سراب ہے تو عمر کی چھپن چھپائی کا کھیل کیا ہے اور اگر زندگی حقیقت ہے تو ناقابلِ تذکرہ کیوں ہے۔۔؟

دنیا طلسم کدہ ہے۔ یہاں پیاس کے ساتھ پانی اور بھوک کے ساتھ کھانا ہے۔ پانی ختم ہو جائے تو پیاس مر جائے گی اور پیاس نہ ہو تو پانی زمین کی تہ میں گم ہو جائے گا۔ آسمان نہ ہو تو زمین کسے کہیں گے اور زمین نہ رہے تو آسمان کا تعارف کیسے ہوگا؟ دن کی پہچان رات اور رات کی پہچان دن ہے۔ یہ کیسی پہچان ہے جو چھپتی ہے، ظاہر ہوتی ہے، ظاہر ہو کر چھپ جاتی ہے؟ چھپنے اور ظاہر ہونے والے کو تعارف سمجھ لیا جائے تو دنیا طلسم کدہ نہیں تو پھر کیا ہے!

علمِ تصوف بتاتا ہے کہ دنیا کے جس رخ کو آدمی دیکھ رہا ہے، وہ فریب ہے۔ فریب بھی کسی نہ کسی سہارے پر قائم ہے۔ ہم پُر فریب دنیا کو زندگی سمجھتے ہیں جب کہ فریب سے منسلک ہر شے فریب ہے۔ فریب کا طریقِ کار

حقیقت کے متضاد دکھانا اور حواس میں تعطل کا تاثر پیدا کرنا ہے۔ فریب کی عینک دکھاتی ہے کہ شے ہے پھر دکھاتی ہے کہ نہیں ہے۔ فریب ایک دن کو پہلا دن کہتا ہے پھر اس دن کو نظر انداز کر کے اگلے روز اسے دوسرا دن کہہ دیتا ہے۔ جس شے کو نظر انداز کرتا ہے، اسے جب چاہے تصور میں حاضر دیکھتا ہے یعنی وہ شے موجود ہے۔ اللہ رب العالمین نے کائنات میں موجود ہر شے ظاہر کر دی ہے۔ ایک جگہ پر غائب شے دوسری جگہ ظاہر ہوتی ہے۔ ظاہر کو غائب سمجھنا پُرفریب ذہن کا عمل ہے یا اس کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے؟

زندگی فریب نہیں ہے۔ جس عینک سے ہم زندگی کو دیکھ رہے ہیں — وہ کیا ہے؟ الوژن ہے۔ ہم نے جس کو نہیں دیکھا، اس کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ ہمارا علم محدود ہے۔ اس بات کو تسلیم نہ کر کے علم کے دروازے خود پر بند کر لیتے ہیں اور لاعلمی کو علم سمجھ کر زندگی گزارتے ہیں۔ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کوئی کہتا کہ میں ہوا میں اڑ سکتا ہوں تو لوگ مذاق اڑاتے۔ آج جہاز میں بیٹھ کر سب اڑ سکتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ جہاز اڑتا ہے، ہم نہیں اڑتے۔

ذرا ٹھہریئے! ہم بھی اڑتے ہیں اور یہ فن ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے قدرت نے ہمیں عطا کیا ہے۔ اڑنے کا ایک مظاہرہ نیند کی دنیا ہے، دوسرا مظاہرہ خیال یا تصور ہے۔

کتابوں میں اڑن قالین کے بارے میں لکھا ہے، کیا اس سے اس لئے انکار کر دیا جائے کہ ہم نے اڑن قالین نہیں دیکھا؟ جنہوں نے یہ بات آنے والی نسلوں کو بتائی، ان میں سے کسی نے دیکھا اور آئندہ نسل کے لئے محفوظ کر لیا۔ ممکن ہے کہ جس نے اڑن قالین بنایا، اس نے aero dynamics کے اصولوں کا پتہ لگا لیا ہو۔

اڑن قالین کی مثال کی طرح موجود کو عدم موجود کہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ ایسے لوگ ہیں جن کو موت کے بعد زندگی پر یقین نہیں لیکن ان کے پاس انکار کی کوئی دلیل نہیں پھر بھی انکاری ہیں۔

ایک مثال اور پڑھیئے۔ پہلی مرتبہ ریل گاڑی چلی تو رفتار 30 میل فی گھنٹہ تھی۔ اُس وقت یہ رفتار لوگوں کے لئے زیادہ تھی۔ وہ گھبرا گئے۔ خوف تھا کہ اتنی تیز چلنے والی گاڑی میں جسم کھل کر بکھر نہ جائیں۔ آج 2025ء میں شنگھائی

میگلو نامی ٹرین 268 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہوئے دنیا کی تیز ترین ٹرین ہے جس پر لوگ خوشی سے سفر کرتے ہیں۔ کیوں—؟

رفتہ رفتہ لوگوں کو علم ہوا کہ 268 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی ٹرین میں بیٹھ کر ہم غائب نہیں ہوں گے کیوں کہ یہ رفتار ٹرین کی ہے، ہماری نہیں ہے۔ غائب ہونے کا امکان تب ہے جب ٹرین کے تابع ہونے کی بجائے، ہم 268 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کریں۔ جسم مٹی سے بنا ہے۔ مٹی کا جسم اس رفتار کو قبول نہیں کرتا۔ اس رفتار سے کوئی فرد سفر کرے تو ذرّات کے درمیان کششِ ثقل ٹوٹ جائے گی اور جسم غائب ہو جائے گا۔ بہرحال معلوم یہ ہوا کہ محدود شعور نئی چیزوں کو فوری قبول نہیں کرتا، رفتہ رفتہ مانوس ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ لاعلمی کے خول میں بند آدمی کی اپنے بارے میں رائے کتنی مستند ہے؟

اپنے دیکھنے کی طرز پر غور کیجئے۔ روشنی کی لہریں آنکھ کے پردے پر پڑتی ہیں۔ پردے پر موجود عضلات اسے برقی اشاروں میں منتقل کر کے دماغ کو بھیجتے ہیں۔ برقی اشاروں سے دماغ کی اسکرین پر تصویر بنی۔

- تصویر کو دماغ کے اندر کون دیکھ رہا ہے؟
- میں دیکھ رہا ہوں تو میں خود کہاں ہوں؟
- کیا میں دماغ کے اندر ہوں؟

موجودہ دور میں شعور اس سطح پر پہنچ گیا ہے کہ مادی ایجادات کے ساتھ ساتھ کائناتی سائنس کو روحانی طرزوں میں سمجھ سکے۔ اِس زمانے میں روحانی علوم کو سائنسی بنیادوں پر بیان کرنے کی ابتدا ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے کی۔ ابدالِ حق نے قرآن کریم میں بیان کائنات کی تخلیق اور تخلیقی فارمولوں کی تشریح کے لئے کتاب "لوح و قلم" لکھی۔ ان کے شاگردِ رشید محترم عظیمی صاحب پچھلے 60 سالوں سے لوح و قلم کی منفرد پہلوؤں سے تفہیم بیان کر رہے ہیں۔

خود کو ڈھونڈنے کے لئے کتاب "لوح و قلم" سے مدد لیں تو حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں،

"آدمی مر گیا۔ مرنے کے بعد اس کے جسم کو کاٹ ڈالئے، ٹکڑے کر دیجئے، گھسیٹئے، کچھ کیجئے۔ جسم کی اپنی طرف سے کوئی مدافعت، کوئی حرکت عمل میں نہیں آئے گی۔ اس مُردہ جسم کو ایک طرف ڈال دیجئے تو اس میں زندگی کا کوئی

شائبہ کسی لمحہ بھی پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کو جس طرح ڈال دیا جائے گا، پڑا رہے گا۔ اس کے معانی یہ ہوئے کہ مرنے کے بعد جسم کی حیثیت صرف لباس کی رہ جاتی ہے۔ اصل انسان اس میں موجود نہیں رہتا۔ وہ اس لباس کو چھوڑ کر کہیں چلا جاتا ہے۔ جب مشاہدات اور تجربات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ گوشت پوست کا جسم لباس ہے، اصل انسان نہیں تو یہ تلاش کرنا ضروری ہو گیا کہ اصل انسان کیا ہے اور کہاں چلا گیا؟ اگر یہ جسم اصل انسان ہوتا تو کسی نہ کسی نوعیت سے اُس کے اندر زندگی کا کوئی شائبہ ضرور پایا جاتا لیکن نوعِ انسانی کی مکمل تاریخ ایسی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتی کہ کسی مردہ جسم نے کبھی کوئی حرکت کی ہو۔ اس صورت میں ہم اس انسان کا تجسّس کرنے پر مجبور ہیں جو جسم کے اس لباس کو چھوڑ کر کہیں رخصت ہو جاتا ہے۔ اس ہی انسان کا نام انبیاء کرامؑ کی زبان میں روح ہے اور وہی انسان کا اصلی جسم ہے۔ نیز یہی جسم ان تمام صلاحیتوں کا مالک ہے جن کے مجموعے کو ہم زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔"

مٹی کا جسم اور حرکت (جسے روح کہتے ہیں) الگ الگ ہیں۔ مٹی بنتی اور بکھرتی ہے، اس کے بکھرتے ہی حرکت دوسرے عالمین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ روح جس حالت پر تخلیق کی گئی ہے، اللہ کے حکم سے اس حالت پر قائم رہتی ہے۔ جسے آدمی کہا جاتا ہے، وہ مٹی کا لباس ہے اور حرکت اس لباس کا تعارف ہے۔ جب حرکت جسم سے منقطع ہوتی ہے تو عزیز ترین رشتہ دار اس جسم کو میت یا ڈیڈ باڈی کہتے ہیں۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ میرا دوست، بھائی، بہن یا رشتہ دار ہے۔ سب اسے میت کہتے ہیں۔

قارئین! سمجھنے کے لئے یہ بات تفکر طلب ہے میں یہ سمجھا ہوں کہ ہم زندگی بھر دھوکے میں رہتے ہیں کہ فلاں میرا ہے اور فلاں میرا نہیں ہے۔ موت کے وقت ادراک ہوتا ہے کہ ہم "فلاں" سے واقف ہی نہیں تھے۔ ہم نے لباس کو اپنا رشتہ دار سمجھا جب کہ ہمارا اصل رشتہ لباس میں موجود حرکت (روح) سے تھا۔

حرکت کا دارومدار روح پر ہے۔ اپنے بارے میں بھی ہماری یہی رائے ہے کہ ہم لباس کو اپنا آپ سمجھتے ہیں— لباس تغیر سے گزرتا ہے۔ غفلت میں گزری ہوئی زندگی دھوکا اور فریب نہیں تو کیا ہے۔ جو خود سے واقف نہ ہو، وہ کسی کی حقیقت کیسے جان سکتا ہے۔

ہم کون ہیں، کس نے بنایا اور حرکت میں رکھا ہے، ہم کہاں سے آتے ہیں، کہاں چلے جاتے ہیں، کیوں آتے ہیں، کیا سنتے اور دیکھتے ہیں، دیکھنے سننے والے ہم ہیں یا کوئی اور؟ کیا مرنے کے بعد دیکھنے سننے کا عمل رک جاتا ہے؟

مرنے کے بعد تصور یہ ہے کہ ہم نہیں سنتے جب کہ ہم مرنے کے بعد بھی سنتے ہیں۔

مقتولینِ بدر کا واقعہ پڑھئے۔

''خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لے گئے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈال کر اسے مٹی سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی۔

اے عتبہ بن ربیعہ!

اے شیبہ بن ربیعہ!

اے ابوجہل بن ہشام!

اے امیہ بن خلف!

کیا یہ اچھا نہیں تھا کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری کرتے؟ اب جب کہ پردہ اُٹھ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ لیا تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا،

بلا شبہ ہم نے اسے حق پایا جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ کیا تم نے بھی اسے حق پایا جس عذاب کی وعید تم سے کی گئی تھی؟

صحابہ کرام نے عرض کیا،

یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپؐ ان اجسام سے مخاطب ہیں جن میں ارواح موجود نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

''قسم ہے اللہ کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو۔ جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں وہ خوب سن رہے ہیں۔''

(کتاب: بارانِ رحمتؐ)

فریب سے آزاد ہونے کی پہلی منزل مٹی کے لباس میں حرکت کی طرف متوجہ ہونا ہے کیوں کہ یہاں سے زندگی کا سراغ ملے گا اور معلوم ہوگا کہ تخلیق فریب نہیں ہے۔ ہم جس عینک سے خود کو، ماحول اور زندگی کو دیکھ رہے ہیں، وہ الٹا یعنی حقیقت کے برخلاف دکھاتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے،

''اور تم قیاس کی نظر سے دیکھتے ہو کہ پہاڑ جمے ہوئے ہیں۔ یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔''

(النمل: ۸۸)

سوالیہ نشان

زمین پر کہیں پہاڑ اور کہیں سمندر ہیں۔ دونوں اسپیس کے لحاظ سے بڑی تخلیقات ہیں۔ زمین کا پھیلاؤ قائم رکھنے کے لئے پہاڑوں میں وزن (ثقل) رکھے گئے، دریا اور سمندر بہائے گئے۔ سمندر اور دریا سطحِ زمین پر اور زیر زمین بہتے ہیں۔ پہاڑوں کی طرح پانی میں بھی وزن ہے۔ ہر شے میں وزن پانی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زندہ پانی سے پیدا کی ہے۔

زمین کو متوازن رکھنے کے لئے آبی ذخائر اور پہاڑوں کا کردار ایک ہے کیوں کہ دونوں میں وزن ہے۔ وزن کیا ہے اور یہ کس شے کا وزن ہے جس نے زمین کو اپنے محور پر قائم رکھا ہے اور زمین پر موجود ہر شے کو زمین سے جوڑا ہوا ہے؟

پہاڑ جمے ہوئے یعنی ٹھوس نظر آتے ہیں لیکن پہاڑوں میں سے چشمے نکلتے ہیں اور آبشار بہتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں میں خلا ہے۔ ٹھوس نظر آنے والی شے میں خلا ہونا کیا ہے اور اگر خلا ہے تو شے ٹھوس کیوں نظر آتی ہے؟ پہاڑ جیسی صورتِ حال پانی کی ہے۔ جیسے روشنی میں سے ہاتھ آر پار ہوتا ہے، پانی میں ہاتھ ڈالنے سے ہاتھ پانی میں سے گزر جاتا ہے۔ پانی وجود ہے اور وجود حیثیت (اسپیس) ہے پھر ہاتھ داخل ہونے سے پانی جگہ کیوں چھوڑتا ہے؟

زمین ٹھوس نظر آتی ہے مگر ہاتھ مٹی کے اندر چلا جاتا ہے۔ مٹی سخت ہو تو کدال کی مدد لی جاتی ہے اور زمین پانی کی طرح جگہ چھوڑ دیتی ہے۔ کدال کا زمین میں جانا، سورج کی شعاعیں اور چاند کی کرنیں داخل ہونا، پانی کا انجذاب اور پودے کا اندر سے باہر آنا، کیا زمین کے ٹھوس پن کی نفی نہیں ہے—؟ پانی ہو یا مٹی، تقسیم ہو کر دوسری شے کے لئے جگہ بناتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ پھر زمین، پانی اور پہاڑ کہاں ہیں؟

عبد اللہ

مشک کی خوش بو

فی الارضِ خلیفہ انسان کی تعریف ہے کہ وہ کائنات میں جتنی زمینیں ہیں، سب میں نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اندر موجود پرتوں کو متحرک کر دیتا ہے۔

اللہ کے دوستوں کی کرامات عالمین میں رائج علوم کا مظاہرہ ہیں۔ ہم ان کو سرسری طور پر پڑھتے ہیں اور محیر العقول سمجھ کر ذہن میں کھڑکی بند کر دیتے ہیں۔ تلاش کرنا چاہئے کہ کرامات کے مظاہرے میں کائناتی سائنس کس طرح برسرِ پیکار ہے اور تحقیق و تلاش کرامات میں موجود حقیقی سائنس کو نظر انداز کر کے مادی سائنس کو ترقی کی علامت کیوں سمجھتی ہے؟ ایسی ترقی جس کے نتائج ہر دور نے اپنے اختتام پر زوال کی صورت میں دیکھے ہیں۔

جن شواہد کے لئے محقق دن رات سرگرداں ہیں، ان کا سراغ اللہ کے دوستوں کے در سے ملتا ہے۔ جیسے محقق کوشش میں ہیں کہ دوسرے سیاروں میں داخل ہوں، رہائش اختیار کریں، ان کے وسائل استعمال کریں اور کسی طرح خلائی مخلوق کا سراغ لگالیں۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے نزدیک خلائی مخلوق کی تعریف کیا ہے کیوں کہ ہم تو خود خلا میں تیرنے والے ایک سیارے "زمین" کے باسی ہیں اور بشمول ہمارے، ہر مخلوق خلائی مخلوق ہے پھر ہم دوسرے سیاروں پر رہنے والی مخلوقات کو ہی خلائی مخلوق کیوں کہتے ہیں—؟

دنیا آج جن سیاروں پر جانے کا دعویٰ کرتی ہے، ہر ولی کو باطنی تعلیمات کے دوران وہاں کی سیر کروائی جاتی ہے کیوں کہ باطنی علوم نظریات سے ہٹ کر مشاہداتی علوم ہیں اور مشاہدے کے بغیر یقین مکمل نہیں ہوتا۔

محقق نادیدہ مخلوقات کی تلاش میں ہیں جب کہ یہ مخلوقات اللہ کے دوستوں کے در پر عقیدت سے حاضر باش رہتی ہیں۔ ابدالِ حق

قلندر بابا اولیاؒ کی بہت سی کرامات ہیں جن میں دوسری نوعوں کی حاضری عام ہے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

" میں اکثر رات کو قلندر باباؒ کی کمر دباتے وقت دیکھتا تھا کہ چھت اور دیواروں میں سے دودھیا رنگ کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ اندھیرے کمرے میں یہ روشنی اچانک نمودار ہوتی تو بعض اوقات سخت خوف زدہ ہو جاتا تھا۔ ایک رات اتنا خوف زدہ ہوا کہ لرزہ طاری ہو گیا۔ باباجیؒ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا، ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ مردانِ غیب ہیں۔ پھر یہ بات تقریباً روزانہ کا مشاہدہ بن گئی کہ حضور بابا صاحبؒ لیٹے ہوئے ہیں، میں کمر دبا رہا ہوں اور کوئی صاحب حضور بابا صاحبؒ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں نے اکثر یہ بھی دیکھا کہ یکایک چکا چوند روشنی ہو گئی اور کوئی فرشتہ بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بابا صاحبؒ نے کچھ ہدایات دیں اور وہ چلا گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو فی الارضِ خلیفہ بنایا ہے یعنی تمام مخلوقات کو نیابت کے علوم سے واقف انسان کے تابع کیا ہے۔ ابدالِ حق کے شاگردِ رشید عظیمی صاحب نے پیر و مرشد کی کئی کرامات قلم بند کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں،

" کبھی کبھی یہ دیکھتا تھا کہ حضور باباجیؒ کے کمرے میں ایک جمِ غفیر ہے جس میں عورتیں اور مرد شامل ہیں۔ بار بار یہ منظر دیکھنے کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

بابا صاحبؒ نے فرمایا، یہ سب تمہارے پیر بھائی اور پیر بہنیں ہیں۔

کافی عرصے بعد اس راز پر سے پردہ اٹھا اور میں یہ سمجھنے کے قابل ہو گیا کہ یہ سب نوعِ جنات کی مخلوق تھی۔"

ابدالِ حق کی کرامات میں کثیر الجہت علوم ہیں۔ جب بندے کو خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے روحانی علوم کا ورثہ منتقل ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضور پاکؐ کی نسبت سے مقداروں کے قانون سے واقف ہو جاتا ہے۔ مقداریں رنگ و روشنی سے مرکب تخلیق کے فارمولے ہیں۔ رنگ و روشنی کی خاص ترتیب سے نوعیں تخلیق پاتی ہیں۔ نوع یا نوع کے کسی فرد کی معین مقداروں میں کسی وجہ سے کمی بیشی ہو جائے تو نتیجہ بیماری یا معذوری کی شکل

میں ظاہر ہوتا ہے۔

قلندر بابا اولیاؒ کی خدمت میں ایسا مریض لایا گیا جس کے دونوں گھٹنے جڑے ہوئے تھے اور وہ چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ اعزّہ اور اقربا اسے گود میں اٹھا کر اوپر لائے۔ قلندر باباؒ نے فرمایا، ان کو زمین پر بٹھادو۔ انہوں نے مریض کے سر پر ہاتھ رکھا تو مریض کو تیز قسم کے تین جھٹکے لگے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا، آپ کھڑے ہو جائیں۔ مریض نے تکلف کیا اور کہا، سالہا سال گزر گئے ہیں، کھڑا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا، آپ کھڑے ہو جائیں۔ مریض میکانیکی طور پر کھڑا ہو گیا اور پیروں سے چل کر سیڑھیاں اترا اور گھر چلا گیا۔

کائنات زمان و مکان کی ترتیب ہے اور اس ترتیب کا محور اللہ تعالیٰ کا حکم کُن ہے۔ اللہ کے اطاعت گزار بندوں کے لئے مکانیت مسخر ہے کیوں کہ وہ اپنی "میں" کو تلف کر کے اللہ کے حکم کے ساتھ جیتے ہیں۔ ایسے قدسی نفس بندوں کے لئے اللہ نے فرمایا ہے،

"میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور ہاتھ بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں، میرے ذریعے دیکھتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔"

اللہ کے دوستوں کے لئے ماضی، حال اور مستقبل ایک ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے وقت کی بیلٹ پر سفر کر کے ہر دور کو حاضر دیکھتے ہیں۔

عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"میرے پیر بھائی حیدرآباد میں فرنیچر کا کام کرتے ہیں۔ ان کی شادی کا مسئلہ درپیش تھا۔ ذکی صاحب کے والد نامساعد حالات کی بنا پر ابھی شادی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ نے ان سے فرمایا کہ شادی فوراً کر دی جائے ورنہ یہ شادی عرصے تک نہیں ہو سکے گی۔ جیسے تیسے کر کے شادی ہو گئی۔ رخصتی کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے ایک قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا۔ ابھی چالیسواں بھی نہیں ہوا تھا کہ خاندان میں ایک اور موت واقع ہو گئی۔ اس سلسلے نے اتنا طول کھینچا کہ 40 دن پورے نہیں ہوتے تھے کہ کسی ایک کا انتقال ہو جاتا تھا۔"

(کتاب: تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ)

فی الارضِ خلیفہ انسان کی تعریف ہے کہ وہ

کائنات میں جتنی زمینیں ہیں، سب میں نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اندر موجود پرتوں کو متحرک کر دیتا ہے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

”برِصغیر اور بیرونِ ملک ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جنہوں نے ایک دن اور ایک وقت میں مختلف مقامات پر حضور قلندر بابا اولیاؒ کو دیکھا ہے۔ کسی کے ساتھ حضور بابا صاحبؒ نے مصافحہ کیا، کسی کو گلے لگایا، کہیں چائے نوش فرمائی اور کسی کو ہدایت دی کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو۔ اس بات کا اظہار اس طرح ہوا کہ مجھے لوگوں نے بتایا اور کچھ لوگوں نے خطوط کے ذریعے اطلاع دی کہ حضور بابا صاحبؒ تشریف لائے تھے۔

مجھے اللہ کے فضل و کرم سے یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ حضور بابا صاحبؒ کے نام جتنے خطوط آتے تھے، ان کا املا میں کرتا تھا۔

ایک مرتبہ سوئٹزر لینڈ سے خط آیا جس میں حضور بابا صاحبؒ کی تشریف آوری سے متعلق بہت زیادہ تشکر و امتنان کا اظہار تھا اور یہ بھی تحریر تھا کہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق فلاں کام کر دیا ہے۔

جب میں نے یہ خط بابا صاحبؒ کو سنایا تو ان سے عرض کیا کہ اس عرصے میں تو آپ کہیں نہیں گئے، یہ کیا لکھا ہے؟

قلندر بابا اولیاؒ مسکرائے اور فرمایا،

”اہلِ تکوین حضرات کے پچیس (25) جسم ہر وقت کام کرتے ہیں اور جب کام کی زیادتی ہوتی ہے تو ان کی تعداد چالیس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔“

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے 16 سال شاگردِ رشید کے پاس قیام فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں،

”کبھی کبھی بابا صاحبؒ کے سینے میں سے خوش بو کی لپٹیں اٹھتی تھیں اور یہ خوش بو مشک کی ہوتی تھی۔ جب ایسا ہوتا تو میں بابا صاحبؒ کے مقدس سینے پر سر رکھ کر اس خوش بو کو سونگھتا تھا اور میرے اوپر مستی اور بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔“

قارئین! سینے میں سے مشک کی خوش بو آنے میں گہرے راز ہیں۔ ابدالِ حق کی کرامات پر غور کیجئے اور جو رموز ذہن پر منکشف ہوں، لکھ کر ادارے کو بھیج دیجئے۔

نومبر 2024ء

سرورق کی تشریح

تحقیق و تلاش (سائنس) کے مطابق زمین پر مخلوقات کی مادی بنیاد خلیہ ہے۔ مخلوق ایک خلیے سے لے کر کھربوں خلیات پر مشتمل ہوسکتی ہے۔ ہر نوع میں یہ تعداد مختلف لیکن معین ہے۔ ہر خلیے کے مرکزی حصے کو مرکزہ یا nucleus کہتے ہیں۔ نیوکلیئس کے اندر ایک ساخت کروموسوم پائی جاتی ہے۔ یہ جوڑوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد اور ترکیب سے نوعوں کا تعین ہوتا ہے۔ تحقیق و تلاش کے مطابق آدمی میں کروموسوم کی تعداد 46 (23 جوڑے) ہے، خرگوش میں 44 اور گھوڑے میں 64 ہے۔

کروموسوم دو الفاظ کا مرکب ہے۔ کروم رنگ اور سوم جسامت یعنی رنگ دار جسم۔ کروموسوم کے اصل رنگ خردبین میں دیکھنا ممکن نہیں — یہ بے رنگ نظر آتے ہیں لہٰذا محقق مطالعے کے لئے ان کو مختلف رنگوں میں رنگتے ہیں۔

کروموسوم دراصل نوعی ریکارڈ بشمول ساخت، ہیئت، ترکیب اور عادات پر مشتمل پیچیدہ مرکب DNA کے گچھے ہیں۔ DNA میں مختلف سالمات کی تکرار اور ردّوبدل سے نوعی ریکارڈ ترتیب پاتا ہے۔ یوں محققین کے مطابق مخلوقات کا بنیادی مادہ DNA ہے۔ DNA کیمیائی عناصر یعنی مٹی کا ایک کیمیائی مرکب ہے۔ اس طرح مادی تحقیقات اس نکتے پر یکجا ہوتی ہیں کہ مخلوقات کی بنیاد،

ساخت، نوعی انفرادیت اور صفات، سب کی بنیاد عناصر یعنی مٹی ہے۔

یہ نظریہ کڑی در کڑی بہت سے سوالات کو جنم دیتا ہے۔

- کوئی نوع سطحِ زمین پر یا سمندر میں اولاً کب ظاہر ہوئی اور کہاں سے ظاہر ہوئی؟
- ایک وقت تھا کہ زمین پر کسی مخلوق کا وجود نہیں تھا۔ مخلوقات کیسے، کہاں سے اور کب ظاہر ہوئیں؟

ڈائنوسار اور بہت سی انواع زمین سے معدوم ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بہت سی نوعوں کی باقیات موجود ہیں۔ کیا باقیات سے ان نوعوں کا دوبارہ پیدا ہونا ممکن ہے—؟ اگر مخلوقات کی اصل مٹی ہے اور ان کے زندہ رہنے کا سبب کیمیائی مادے اور مرکبات ہیں تو ہونا یہ چاہئے کہ آج بھی آدمی یا کسی حیوان کے مردہ جسم کی خرابی دور کر کے اسے حرکت میں لانا ممکن ہو۔

مادی سائنس کی تحقیقات قابلِ تحسین ہیں لیکن مادی حواس کے تابع ہو کر کی گئی ہیں اس لئے ان کی حدود متعین ہیں۔ یہ حدود مادی صفات یعنی شکست و ریخت، تغیر اور تخریب کی مقداروں میں قید ہیں۔ مخلوقات کی ساخت، ترکیب، صفات اور معین مقداریں جن سے وہ تخلیق ہوئی ہیں، ان کو صحیح طور پر جاننے کے لئے ایسے حواس کی ضرورت ہے جو تغیر اور تخریب سے آزاد ہوں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

> ”پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے معین مقداروں سے تخلیق کی اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔“ (الاعلیٰ: ۱-۳)

”ماہنامہ قلندر شعور“ نومبر 2024ء کے سرورق پر نوعوں کی تخلیق کا فارمولا بیان کیا گیا ہے جو آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی تعلیمات پر مبنی باطنی علوم پر مشتمل ہے۔ باطنی حواس میں تغیر اور شک نہیں ہے۔ ان کے زیرِ اثر مشاہدات پرت در پرت کائنات کی کُنہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ سیاروں، زمینوں اور کائنات کے دور دراز گوشوں میں موجود دنیاؤں کے اندر مخلوقات کیسے اور کہاں سے ظاہر ہوتی ہیں۔

نومبر 2024ء کے سرورق پر سب سے اوپر سفید روشن پٹی پر لکھے ہوئے ”اجتماعی پروگرام“ کے

الفاظ پڑھ کر سورۃ النّور کی آیت "اللہ نور السمٰوٰت والارض" ذہن میں آتی ہے۔ نوعوں کے تخلیقی فارمولے نور سے ظاہر ہونے والی معین مقداریں ہیں۔ سرورق پر سب سے اوپر آسمانی بجلی، تجلّی کی تمثیل لگتی ہے۔ نور کا منبع تجلّی ہے۔ معین مقداریں جس زمین پر نزول کرتی ہیں، وہاں کے عنصری لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ روشن لہروں کے تانے بانے کا فرش، معین مقداروں کے خلط ملط کو ظاہر کرتا ہے۔لہریں تانے بانے کی صورت میں مادی قالب تخلیق کرتی ہیں۔

نیچے زمین کا کرہ اور اس پر ظاہر ہونے والی مخلوقات دکھائی گئی ہیں۔ آدمی ننھے بچے کے روپ میں زمین کی سطح پر ظاہر ہوتا ہے۔ مسلسل تغیر سے گزر کر پانچ یا چھ فٹ ہو جاتا ہے۔ روشن سفید سراپے کی توجیہہ ذہن میں آتی ہے کہ قوتِ حیات اپنے عروج پر ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ بوڑھے آدمی کا سیاہ وجود علامت ہے کہ زندگی کی روشنی گُل ہونے کے قریب ہے۔ یوں زمین کی اسکرین سے آدمی غائب ہو جاتا ہے۔

یہی معاملہ سرورق پر نیچے بنے کبوتر کی نوع کا ہے۔ کبوتر اور آدمی کا وجود بالآخر ذرّات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہر ذرّہ باشعور ہے۔ جانتا ہے کہ اسے کس نوع کا لباس بننا ہے اور اس کی ترکیب کیا ہے۔

خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

حیوانات دو لطائف کی مخلوق ہیں۔ (نفس) (روح)

انسان چھ لطائف کی مخلوق ہے۔ (نفس) (قلب) (روح) (سرّ) (خفی) (اخفیٰ)

گویا معین مقداریں نور یا روشنی کے مراکز کی تعداد اور اقسام پر مبنی ہیں۔ مقداریں کروڑوں دنیاؤں میں سے کسی ایک دنیا کی روشنی اور رنگ کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ تانے بانے کے فرش پر کھڑے بے شمار لوگ اس امر کا اظہار ہیں کہ ہر نوع کا تخلیقی فارمولا اور غیب ظاہر غیب کے میکانزم سے گزرنے کا عمل یکساں ہے۔ (تشریح : مکمل مینا)

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics
PRIME LACE INDUSTRIES
(PVT.) LTD.
C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

ملک محمد ناصر

تصویریں رنگ ہیں

اگر زید اور محمود آمنے سامنے بیٹھنے کی بجائے ایک ساتھ بیٹھتے اور سمت تبدیل نہ ہوتی تو کیا ان کے تصورات یکساں ہوتے؟

رابعہ کھانسی اور چھینکوں سے بے حال بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اماں نے کہا، اٹھو، منہ دھولو۔ ناشتے کے بعد ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔

اماں، گھر میں کسی کو نزلہ نہیں ہوا، صرف مجھے ہوا ہے، میں دوا نہیں لوں گی۔

یخ بستہ موسم میں ٹھنڈا پانی تم نے پیا ہے، کسی اور نے نہیں۔ میں باہر انتظار کر رہی ہوں، فوراً آؤ۔ یہ کہہ کر اماں چلی گئیں۔

وہ ناچار بستر سے اٹھی۔ آئینے کے سامنے سے گزرتے ہوئے بیمار چہرے پر نظر پڑی تو کچھ لمحے کو رکی، چہرہ زرد تھا۔ ناگواری سے خود کو دیکھا پھر آگے بڑھ گئی۔

ڈاکٹر کے پاس جاتے ہوئے راستے میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے چہروں پر خوشی کے رنگ ہیں، کوئی چہرہ پریشان ہے، کسی نے ماسک پہنا ہوا ہے اور کچھ غمِ زیست سے بے فکر ہیں۔

ڈاکٹر نے معائنے کے بعد نسخہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، آج کل وبا پھیلی ہوئی ہے، ماسک پہننا بہتر ہے۔

گھر جاتے ہوئے ذہن الجھا ہوا تھا کہ رنگ کیسی کیسی تصویریں بناتے ہیں۔ کہیں صحت کے رنگ ہیں اور کہیں بیماری کے۔ ٹھنڈے پانی کا بھی رنگ ہوگا اور سرد موسم کا بھی۔

شام کو ابا گھر آئے۔ رابعہ کی خیریت پوچھی۔ اطمینان ہونے پر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ابا پیشے کے لحاظ سے پیٹرن ماسٹر تھے۔ تعمیرات کے لئے نقش و نگار بناتے تھے۔ ہر چیز پیٹرن

کے مطابق ہے۔ یہ انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی طرز اور فکری معنی ساخت، ڈائی اور نقشے کے ہیں۔ لباس بھی پیمائش کے مطابق بنتا ہے۔ پہلے پیمائش کی جاتی ہے پھر گتّے کے سانچے بنائے جاتے ہیں، اس کے نقشے پر کٹائی سلائی کی جاتی ہے۔ جوتے، برتن اور گھر بھی نقشے کے تحت بنتے ہیں۔ شعبے کے لحاظ سے پیٹرن ماسٹر کے نام مختلف ہیں لیکن کام ایک ہے۔ چھوٹی بڑی پیمائش میں رہتے ہوئے نقشہ بنانا اور نقشے کے مطابق نمونے تیار کرنا۔

آدمی بھی نقشہ ہے جس کی لاشمار کاپیاں ہیں۔ ہر کاپی کے نقش و نگار الگ الگ ہیں لیکن سب یک نام ہیں۔ جسم کی طرح ذہن کے بھی پیٹرن ہیں جس کو طرزِ فکر کہتے ہیں۔

کھانے کے بعد ابا چائے پی رہے تھے تو رابعہ قریب آکر بیٹھ گئی اور پوچھا، بابا جانی! رنگ اور روشنی کا میکانزم کیسی کیسی تصاویر بناتا ہے۔ اب دیکھیں، نزلے کے رنگوں نے مجھے بیمار کر دیا۔

بیٹی کی بات پر بابا مسکراہٹ نہ روک سکے۔ پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا، بیماری جسم میں نقصان داخل ہونے کی اطلاع ہے۔ ٹھنڈا پانی پینے سے نزلہ ہوا۔ شدید سردی میں ٹھنڈا پانی پینے کا خیال تخریب ہے۔ پہلے سوچ میں تخریب پیدا ہوئی پھر جسم میں اثر پھیلا۔ اس موسم میں ٹھنڈا پانی پینا منفی خیال ہے۔ منفی خیال بیماری ہے۔ منفی خیال جس رنگ میں ہوتا ہے، وہ رنگ بیماری ہے۔

رابعہ خود کو نزلے سے بری الذمہ قرار دے کر ”رنگ و روشنی“ میں کمی بیشی کو بیماری کی وجہ بتانا چاہتی تھی لیکن اس طرف دھیان نہیں تھا کہ رنگوں میں کمی بیشی کا سبب کیا ہے۔

بابا نے کہا، اچھی بات یہ ہے کہ تم نے رنگ اور روشنی کے بارے میں سوچا لیکن ذہن پر بھی دھیان دو جو رنگوں کا انتخاب کرتا ہے۔ رکو، میں کتاب ”لوح و قلم“ لے کر آتا ہوں اور اس کے کچھ حصے پڑھ کر سناتا ہوں۔ تمہیں اپنے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔ وہ کتاب لے کر آئے اور ایک صفحہ کھول کر بلند آواز سے تحریر پڑھی۔

”جب ہماری نظر کتاب کے الفاظ پر پڑتی ہے تو گویا روشنی پڑتی ہے کیوں کہ ہم روشنی کے علاوہ کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ جب ہم کتاب

پڑھتے ہیں تو روشنی پڑھتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں، روشنی سمجھتے ہیں۔"

بابا ! میں آپ کو دیکھ رہی ہوں، آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ ہم دونوں روشنی کو دیکھ رہے ہیں لیکن یہ بات ہمیں نہیں معلوم۔ یہ کہہ کر رابعہ نے روشنی کا تصور کیا تو دماغ میں بلب، ٹیوب لائٹ، سورج اور چاند کی روشنی نظر آئی۔

بابا، ہم ایک دوسرے کو چاند اور سورج نہیں تو کم از کم بلب کی طرح روشن دیکھ لیں۔ روشنی کی جگہ مجھے ہر طرف رنگ نظر آتے ہیں۔

بابا نے کہا، اس کی وجہ ہے۔ آؤ، سمجھیں کہ قلندر باباؒ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

"زید اور محمود دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چراغ جل رہا ہے۔ چراغ کی روشنی میں زید، محمود کو اور محمود، زید کو دیکھ رہا ہے۔ دونوں کے لئے روشنی دیکھنے کا ذریعہ ہے۔ اب روشنی کی رفتار بیک وقت دو سمتوں میں ہے۔ (دوسری طرف) زید کی سمت سے روشنی محمود کی آنکھ تک پہنچتی ہے اور محمود کی سمت سے روشنی زید کی آنکھ تک پہنچتی ہے۔ یہ ایک ہی چراغ کی روشنی جو محمود سے زید تک اور زید سے محمود تک سفر کر رہی ہے۔ سفر کی سمتیں مختلف ہیں لیکن روشنی کا مخرج ایک ہے یا پھر یوں کہیں گے کہ روشنی ایک ہے۔ اس روشنی کے احساس میں کوئی ایسی شے ہے جو بیک وقت دو سمتوں میں سفر کرتی ہے اور اس کے آثار یکساں ہیں۔ امتیاز کہاں ہے؟ یہی روشنی جو تصورات زید میں پیدا کرتی ہے، وہ زید کے تصورات کہلاتے ہیں۔ یہی روشنی جو تصورات محمود میں پیدا کرتی ہے، وہ محمود کے تصورات کہلاتے ہیں۔ یہ فرق مشاہدہ کرنے والے کے زاویۂ نظر کا ہے۔ یہاں سے مظاہر کا یہ قانون منکشف ہو جاتا ہے کہ سمتوں کی تبدیلی روشنی میں نہیں بلکہ مشاہدہ کرنے والے کے زاویۂ نگاہ میں ہے۔"

بابا نے کتاب اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، اسے تین مرتبہ پڑھو۔ اس میں تمہارے ہر سوال کا جواب ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ زید کے تصورات، محمود کے تصورات اور زاویۂ نگاہ رنگ کی تشریح ہیں۔

رابعہ نے تین مرتبہ پڑھ کر بابا سے کہا، کچھ دیر concentration کے ساتھ آنکھیں بند کر کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باپ بیٹی نے پانچ منٹ کے لئے آنکھیں بند کیں اور باہر دیکھنے کے میکانزم کے بغیر اندر دیکھنے کا میکانزم استعمال کیا۔ آنکھیں کھولیں تو رابعہ نے سوال کیا۔

بابا! اگر زید اور محمود آمنے سامنے بیٹھنے کی

بجائے ایک ساتھ بیٹھتے اور سمت تبدیل نہ ہوتی تو کیا ان کے تصورات یکساں ہوتے ؟

بابا کو اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ خیال تھا کہ بیٹی کو روشنی اور زاویے کا میکانزم سمجھنے میں وقت لگے گا لیکن سوال سن کر چونک گئے۔

رابعہ بیٹی، ایک سمت ظاہری ہے اور ایک سمت کو ہم طرز فکر کہتے ہیں۔ اگر زید اور محمود کی طرز فکر ایک ہے تو تصورات ایک ہوں گے۔ بات یہ ہے کہ ہم چراغ کی روشنی کو ذہن کے کس زاویے سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوں یا ایک ساتھ، اگر وہ چراغ کے دیکھنے کو دیکھیں گے تو روشنی نظر آئے گی اور روشنی اس طرح نظر آئے گی جس طرح روشنی اصل میں ہے۔ اگر اپنے ذہن کے دیکھنے کو دیکھیں گے تو روشنی کسی رنگ میں نظر آئے گی یعنی روشنی چھپ جائے گی، رنگ ظاہر ہو گا۔ یہاں ہر شے روشنی سے بنی ہے۔ ہم روشنی کو رنگ میں دیکھتے ہیں۔ تم نے مجھے دیکھا تو مجھے نہیں دیکھا، تمہاری روشنی نے میری روشنی کو دیکھا، ذہن نے روشنی کی رنگ میں تشریح کی۔ جب تم مجھے دیکھتی ہو تو یہ سوچ کر دیکھتی ہو کہ میں تمہارا بابا ہوں، تمہارا خیال رکھتا ہوں، تم سے محبت کرتا ہوں اور ضرورت پڑنے پر سرزنش بھی کرتا ہوں۔ تم مجھے نہیں دیکھتیں، ذہن میں میرا تصور بنتا ہے، اسے دیکھتی ہو۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں۔

رابعہ نے پوچھا، سمت کیا ہے —؟

بابا نے کہا، رنگ ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں کہ سمتوں کی تبدیلی روشنی میں نہیں ہے، طرز فکر کی وجہ سے کیفیات علیحدہ ہیں۔ کچھ لوگ اندھیرے سے ڈرتے ہیں۔ خوف کیا ہے —؟ اندھیرے میں خوف کی تصویریں نظر آتی ہیں، اجالے میں نظر کیوں نہیں آتیں ؟ انہوں نے اپنے بڑوں سے ایسی کہانیاں سنی ہیں جن میں اندھیرے کی خوفناک تصویریں ہیں یعنی بڑوں نے اپنا خوف بچوں میں منتقل کیا ہے۔

کچھ سمجھ میں آیا؟

رابعہ بولی، جی! اماں نے کہا تھا کہ ٹھنڈا پانی نہیں پینا، میں نے پی لیا۔ ٹھنڈے پانی میں بیماری نہیں ہے کیوں کہ گرمی میں اسی پانی سے تسکین ملتی ہے۔ بیماری موسم کے خلاف جانے میں ہے، نافرمانی میں ہے، اس طرز فکر اور سمت میں ہے جو میں نے اختیار کی۔

بابا خوش ہوئے اور کہا، اب بیماری کو الزام نہیں دینا۔ بیماری سنتی ہے، دیکھتی ہے، کھاتی پیتی ہے، پیدا ہوتی ہے، چھوٹی سے بڑی ہوتی ہے، لبیک کہتی ہے اور رخصت ہو جاتی ہے۔ کتاب ”رنگ و روشنی سے علاج“ میں لکھا ہے کہ کینسر بااختیار مرض ہے۔ اس کی منت سماجت کی جائے تو وہ مریض کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح نزلہ بھی بااختیار ہے۔ منت سماجت کرو، چلا جائے گا۔ کہہ دو،

”تم اچھے ہو، بات سنتے ہو۔ تم نے مجھے احساس دلایا ہے کہ میں نے اس موسم میں ٹھنڈا پانی پی کر خود پر ظلم کیا ہے۔ غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اب معاف کر دو اور چلے جاؤ۔“

رابعہ نے ایسا ہی کیا۔

بابا نے کہا، اب اس موسم میں ٹھنڈی چیزیں کھا کر دوبارہ نزلے کو دعوت مت دینا، ہمارے مسائل کی وجہ ہم خود ہیں کیوں کہ جو سمت ہم نے اختیار کی ہے، وہ درست نہیں۔ ساری بات سمتوں کی ہے۔

رابعہ سوچ رہی تھی کہ قلندر بابا اولیاءؒ نے چند جملوں میں پوری زندگی بیان کر دی۔

No Time Zone

قطبِ شمالی — زمین کے محور کے شمالی سرے پر جغرافیائی شمالی قطب کے اس مقام پر بتایا جاتا ہے جہاں سمندر کی گہرائی 13,400 فٹ ہے۔ اس کے عین اوپر آسمان میں ستارہ ہے جسے North Star یا قطب ستارہ کہتے ہیں، اس کی مدد سے شمالی نصف کرے میں سمتوں اور فاصلے کا تعین کیا جاتا ہے۔ محققین کا قیاس ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے جزیرے گرین لینڈ کے شمال سے یہ قطب کم و بیش 450 میل دور ہے۔

زمین کے انتہائی شمال میں واقع قطب شمالی No Time Zone میں شمار ہوتا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ طولِ بلد کے تمام خطوط کا آغاز اس قطب سے ہوتا ہے پھر سب جنوب کا رخ کرتے ہیں۔

زمین اپنے محور سے تقریباً 23.5 ڈگری پر جھکی ہوئی ہے اور محوری و طولانی گردش کر رہی ہے۔

قطبِ شمالی سے قریب علاقوں میں سورج چھ مہینے کے وقفے سے ایک بار طلوع اور ایک بار غروب ہوتا ہے۔ چھ مہینے کا دن اور چھ ماہ طویل رات ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہاں سال ایک دن اور ایک رات پر مشتمل ہے۔ ایسے میں مادی پیمانوں سے بھی وقت کی پیمائش ممکن نہیں۔

سرد ترین سمندر

بحرِ منجمد شمالی (Arctic Ocean) دنیا کے پانچ بڑے سمندروں میں سب سے چھوٹا اور سرد ترین سمندر ہے۔ یہ زمین کے شمالی حصے میں قطب شمالی کے قریب واقع ہے اور شمالی امریکا، یورپ، ایشیا اور گرین لینڈ کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ رقبہ تقریباً چھ ملین مربع میل ہے۔

بحرِ منجمد شمالی کا درجہ حرارت تقریباً 2°C- تک گر جاتا ہے اور سمندر جمنے کی حالت میں آجاتا ہے۔ بڑے حصے پر سارا سال برف کی تہ جمی رہتی ہے۔ موسمِ سرما کے دوران برف کی تہ زیادہ چوڑی ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں تھوڑی سی پگھلتی ہے جس سے پانی کی سطح بڑھ جاتی ہے۔

بحرِ منجمد شمالی میں Northern Sea Route جیسے اہم سمندری راستے موجود ہیں جو روس اور دیگر یورپی ممالک کو شمالی ایشیا سے جوڑتے ہیں۔ برف پگھلنے کے ساتھ ان سمندری راستوں کو تجارتی نقل وحمل کے لئے زیادہ قابلِ رسائی بنایا جارہا ہے۔

یہاں کا حیاتیاتی نظام مختلف اور منفرد ہے۔ برفانی ریچھ، پانی کی بلی کی مختلف اقسام جیسے ہاربر سیل، رینگنے والی سیل اور ہوپ سیل۔ بتایا جاتا ہے کہ اس سمندر میں تیل اور قدرتی گیس کے ذخائر بھی ہیں۔ یہاں کوئی مستقل جزیرہ نہیں ہے۔ کچھ عارضی جزیرے برف کے نیچے یا اوپر برف کے پگھلنے یا حرکت کرنے کی وجہ سے بنتے ہیں۔

یہ سمندر موسمیاتی تبدیلیوں کی زد میں ہے۔ برف پگھلنے کی شرح بڑھنے کی وجہ سے پانی کی سطح میں اضافہ ہو رہا ہے جس کا اثر دنیا بھر کے ساحلی علاقوں پر پڑ سکتا ہے۔ بحرِ منجمد شمالی کا درجہ حرارت عالمی ہوا کے بہاؤ اور موسم کی تبدیلیوں کو متاثر کرتا ہے جو زمین کے دوسرے حصوں میں بھی موسمی تبدیلیاں پیدا کر سکتا ہے۔

اقتباسات

"ماہنامہ قلندر شعور" کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

جو لوگ صابر و شاکر اور مستغنی نہیں ہیں، وہ اللہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے دوری سکون و عافیت اور اطمینانِ قلوب سے محرومی ہے۔ یہ محرومی صبر و استغنا کی لذت سے نا آشنا کر دیتی ہے— صبر و استغنا وہ تلوار ہے جس سے ہم مسائل و مشکلات اور عدم تحفظ کی زنجیریں کاٹ کر پھینک سکتے ہیں۔ جب کسی فرد کو صبر و استغنا کی دولت مل جاتی ہے تو اس پر سے مصائب و مشکلات کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ اور جب من حیث القوم، صبر و استغنا کسی قوم کے مزاج میں رچ بس جاتا ہے تو معاشرہ سدھر جاتا ہے۔ قومیں حقیقی فلاح و بہبود کے راستوں پر گامزن ہو جاتی ہیں۔ (انعم سعید۔ پشاور، کتاب: آوازِ دوست)

ہر شے کا وجود عارضی ہے جسے خود کچھ خبر نہیں کہ وہ کب تک قائم رہ سکے گا اور کب ختم ہو جائے گا۔ کوئی شے جو کسی بھی شکل اور وضع میں کسی بھی جگہ پر موجود ہے، اسے اپنے وجود میں آنے، اپنے لئے کوئی کردار منتخب کرنے، کسی مخصوص زمانے یا مقام پر فائز ہونے کے بارے میں قطعاً خود کوئی اختیار نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ایک بڑی قدرت والا موجود ہے جو ہر شے کے لئے وقت، مقام اور اس سے وابستہ افعال متعین کرتا ہے۔ کوئی ہے جو اس شے (تخلیق) کے ہونے، نہ ہونے کا اختیار رکھتا ہے اور اپنی مرضی کا مختار ہے۔ یہ ہستی خالقِ کائنات اللہ ہے۔ (تبصیر جہاں۔ کراچی، کتاب: اسلام کے بنیادی ارکان)

جس طرح ماں باپ یہ چاہتے ہیں کہ اولاد ان کا ادب اور احترام کرے، اسی طرح ماں باپ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اولاد کو کوئی ایسی بات نہ سکھائیں جو آگے چل کر اولاد کے لئے پریشانی اور مصیبت کا سبب بن جائے۔ کوئی بچہ اس وقت تک بڑا نہیں ہو سکتا، جب تک والدین اس کی دیکھ بھال نہ کریں، اس سے محبت نہ کریں اور اس کی ضروریات کی کفالت نہ کریں۔ جس طرح انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی نگہداشت کریں، اس کی تربیت کریں، اسی طرح اولاد کے لئے بھی ضروری ہے کہ جب انہیں ادب اور احترام کرنا سکھا دیا جائے تو والدین اور بزرگوں کا پورا پورا ادب کریں۔ (سفیان عامر۔ کراچی، کتاب: ہمارے بچے۔۱)

آسمانی کتابوں کے مطابق سکون حاصل کرنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ آدمی غصہ نہ کرے اور کسی بات پر پیچ و تاب نہ کھائے۔ عملی جدوجہد میں کوتاہی نہ کرے اور نتیجے پر نظر نہ رکھے۔ زمین پر بسنے والی قومیں زندگی کے جن اصولوں پر کاربند ہیں، ان کا مطالعہ کرے۔ قانونِ فطرت میں کہیں جھول نہیں ہے۔ ہر چیز وقت کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ وقت جس طرح سے چابی بھر دیتا ہے، شے حرکت کرنے لگتی ہے۔ وقت اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے تو کھلونے میں چابی ختم ہو جاتی ہے۔ کل پُرزے سب ہوتے ہیں لیکن قوت (Energy) باقی نہیں رہتی۔ وقت قوت کا مظاہرہ ہے۔ (عالیہ نفیس۔ ملتان، کتاب: کشکول)

اچھا آدمی اسے سمجھا جاتا ہے جو خوش مزاج اور نرم دل ہو۔ ایک اچھے شہری کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ بہت نفیس، شریف الطبع، نرم گفتار اور رحم دل ہو۔ کسی نے اس کی بلند آواز نہ سنی ہو اور کبھی لڑائی جھگڑے کرتے نہ دیکھا ہو۔ وہ ہر جرگے اور رسم گاہ میں فراخ دلی سے حصہ لیتا ہو۔ لوگوں کو آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کرتا ہو، کھیتوں میں اور رسوم میں بے تکلّف دوسروں کا ہاتھ بٹاتا ہو۔ کبھی غصے یا نفرت یا کسی اور شدید منفی جذبے کا اظہار نہ کرتا ہو۔ (مہرین قاضی۔ حیدرآباد، کتاب: قدیم تہذیب اور جدید انسان)

محمد عدنان خان

کورشِ اعظم

زمانیت کی بے رنگی سے طلوع ہونے والی مکانیت کے طول و عرض پر پھیلی ایک ایسے سرخیل رَزم و بزم طلسم کی داستان جس کے قدموں کی دھمک سے زمین لرزہ براندام تھی اور جس کے نام کا کواکب میں شہرہ تھا۔

گزشتہ اقساط کا خلاصہ: قدیم سلطنت فارس کی ابتدا موجودہ ایران کے قدیم علاقے انشان سے ہوئی جس کا حکمران کمبائسس تھا۔ وہ مدائن (میڈیا) کے بادشاہ استغیز کا داماد تھا۔ کمبائسس اور شہزادی منڈانہ شادی کے کئی سال تک بے اولاد تھے۔ ایک شب منڈانہ نے خواب دیکھا جس کی تعبیر بادشاہ کے لئے پریشان کُن تھی۔ اس نے وزیر ہاراپاگس کی مدد سے بچے کو مارنے کا منصوبہ بنایا۔ شاہی چرواہے میتھرابیٹس اور اس کی طبیبہ بہن کو جبراً ذمہ داری سونپی گئی۔ قدرت کو بچے کی حفاظت منظور تھی۔ جس روز شہزادی کے ہاں ولادت ہوئی، اسی روز چرواہے کے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ طبیبہ نے بچہ تبدیل کر کے بھائی کو دے دیا۔ بچے کا نام کورش رکھا گیا۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ ایک روز شاہی لڑکوں نے اس کی بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا۔ اس نے انہیں مار بھگایا اور بعد میں گرفتاری دے دی۔ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو استغیز اس کے نقوش دیکھ کر چونک گیا۔ کورش کی حقیقت معلوم ہونے پر بادشاہ کی نیند اڑ گئی۔ مارنے کی کوشش کی تو وہ زندان سے فرار ہو گیا۔ ملکہ اور منڈانہ کو حقیقت معلوم ہو گئی تھی۔ انشان واپس جاتے ہوئے ماں کو بچھڑا ہوا بیٹا مل گیا۔ وہ اسے انشان لے آئی۔ کورش اور مدائن کے بادشاہ استغیز کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا۔ اب آگے پڑھئے۔

کمبائسس نے بیٹے سے کہا، ہماری اطلاع کے مطابق مثقال فیل بڑے بڑے سورماؤں کو زیر کر چکا ہے۔ مدائن، لیڈیا، بابل اور مصر کا بڑے سے بڑا پہلوان اسے زیر نہیں کر سکا۔ وہ درندہ صفت آدمی حریف کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ تمہیں مقابلے کی دعوت مسترد کر دینی چاہئے۔ ویسے بھی تم انشان کے حکمران ہو اور وہ مدائن کا معمولی پہلوان۔

کورش والد کی بات توجہ سے سن رہا تھا۔ اس نے کہا، بابا جان! دعوتِ مبارزت براہِ راست

نہیں آئی، مدائن کے سفارتی ذرائع سے آئی ہے۔ یقیناً اس کی تشہیر کی گئی ہے۔ آپ پریشان مت ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ بے شک باطل نیست و نابود ہوگا۔ مقابلے کی جگہ سرحد کا میدانی علاقہ ہونا چاہئے۔ دعوت کی قبولیت کا مکتوب روانہ کروا دیجئے، مناسب جگہ تجویز کی جائے تو اچھا ہے۔ کوئی اعتراض ہو تو وہ سرحدی علاقے میں کسی بھی جگہ کا تعین کرلیں۔

مکتوب کیا روانہ ہوا، لوگ مقابلے کے دن اور وقت کا انتظار کرنے لگے۔ خبر دور دور تک پھیل گئی۔ میڈیا (مدائن) کے امرا و روٴسا کے ساتھ لیڈیا اور بابل کے بااثر لوگ بھی مقابلہ دیکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ میدان میں جگہ جگہ بڑی بڑی مسند گاہیں فوری طور پر عارضی بنیادوں پر تعمیر کی گئیں۔ لوگ دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ سب مثقال فیل گوش کو جانتے تھے اور بہادری کی مثالیں دیتے تھے۔ لمبا چوڑا وجود اور بڑے بڑے کانوں کی وجہ سے وہ "فیل گوش" کے نام سے مشہور ہوگیا۔ مقابلے کے لئے جو جگہ منتخب کی گئی، وہ موجودہ سمیروم (ایران) کا علاقہ تھا جو اس زمانے میں خاصا سرسبز و شاداب تھا۔

وہ دن آپہنچا جب سمیروم کے میدان میں کورش اور مثقال فیل گوش آمنے سامنے تھے۔ لگتا تھا کہ میڈیا، لیڈیا اور بابل کے لوگ میدان میں امنڈ آئے ہیں۔ میڈیا (مدائن) والوں نے بڑے پیمانے پر انتظامات کئے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ کورش زیر ہو جائے گا۔ یہ شکست انشان کا حوصلہ پست ہونے کا سبب بنے گی۔

مدائن کے مقتدر حلقے خوش تھے کہ کورش کو شکست ہوگی اور وہ مثقال کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ بڑے پیمانے پر جشن کے انتظامات تھے۔ میدان میں دونوں جانب سے ڈھول تاشے بجانے والوں نے ماحول گرما دیا تھا۔ ڈھول پر ضرب اتنی قوت سے ماری جارہی تھی کہ آواز کی گونج میلوں دور پھیل رہی تھی۔ اصل مقابلہ شروع ہونے سے پہلے میدان میں مختلف مقابلے ہوتے رہے گویا دو پہلوانوں کے مقابلے نے میلے کی صورت اختیار کرلی۔

سورج غروب ہونے کا وقت قریب آیا تو مثقال فیل گوش بگّھی پر سوار مداحوں کے نعروں کا جواب دیتے ہوئے پھولوں کے ہاروں سے لدا میدان میں داخل ہوا۔ دوسری جانب

سے کورش اپنی والدہ کی اکھال ٹیک گھوڑی پر سوار میدان میں داخل ہوا۔ چاندی سے زیادہ سفید اور چمک دار رنگ جو دھوپ میں دمک رہا تھا، تماش بینوں کی آنکھوں کو خیرہ کر گیا۔ وہ لگام وزین کے بِنا، گھوڑی کی پیٹھ پر سوار تھا اور لگام کی جگہ بائیں ہاتھ سے گھوڑی کی گردن پر موجود لمبی گھنیری چاندی کے تاروں جیسی بالوں کی لٹ (ایال) کو پکڑے ہوئے تھا۔ دو دیو ہیکل وجود ٹکرانے کو تیار تھے۔ فیل گوش، کورش کو دیکھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی زنجیر سے بندھے کانٹے دار گولے کو زور سے زمین پر مارتا، گرد اڑتی اور وہ اس زور سے ہوا منہ کے اندر کھینچتا کہ گرد وغبار دھوئیں کی مانند منہ میں داخل ہو کر غائب ہو جاتا۔ مجمع حیرت و خوف کے عالم میں مثقال فیل گوش کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگوں خصوصاً کورش پر دھاک بٹھانے کے لئے ایسا کر رہا تھا۔

مثقال کا گھوڑا عام گھوڑوں سے بڑا تھا۔ اس کے پیچھے جُتی چھوٹی گاڑی تھی جس پر فیل گوش مزے سے کھڑا میدان کے چکر لگا رہا تھا۔ کورش تاحال گھوڑے پر سوار مثقال کے رکنے اور مقابلہ شروع ہونے کا منتظر تھا۔ انشان کے لوگ پریشان تھے۔ خیال تھا کہ فیل گوش کے سامنے کورش کمزور ہے مگر جو مردم شناس تھے، انہیں یقین تھا کہ اس میدان کا فاتح کون ہو گا۔

میدان کے کئی چکر لگانے اور مجمع پر دھاک بٹھانے کے بعد مثقال، کورش کے روبرو آکر کھڑا ہوا تو کورش گھوڑی سے اترا۔ وہ لڑائی میں جانوروں کو تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا۔ فیل گوش، کورش کی دیکھا دیکھی خود بھی گاڑی سے اترا اور غرور سے بولا، اپنے آپ کو کس واسطے ہلاکت میں ڈالتا ہے؟ چل میرے ساتھ! بادشاہ سے تیری معافی کی بات کروں۔

کورش آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا، اول فول نہ کہہ، داؤ آزما!

فیل گوش، کورش کے الفاظ پر غصہ وغضب سے دانت کچکچانے لگا اور اسی کیفیت میں زنجیر سے بندھے کانٹے دار گولے کو پوری طاقت سے کورش کے سر پر مارنے کے لئے وار کیا۔ کورش غافل نہ تھا، اتنی پھرتی سے جگہ چھوڑی کہ گولے کا وار خالی گیا۔ گرد اڑی جس کی چادر میں کورش کچھ دیر کے لئے اوجھل ہو گیا۔

مشقال پُرجوش انداز میں چیخا،

وہ مارا۔۔۔! اور پست کیا۔۔۔!

کورش اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا، بولا، کس کو مارا اور کس کو پست کیا؟ اے کم عقل! تو دو حربے اور کر پھر میں حربہ کروں گا۔

کورش کی للکار سے مجمع پر سکوت چھا گیا۔ سب نے سمجھا کہ فیل گوش کے ہتھیار نے کام تمام کر دیا ہے۔ مخالفین نے جوش میں میدان سر پر اٹھالیا تھا۔ فیل گوش غضب ناک ہو گیا۔ وہ زنجیر میں بندھے گولے کو اگلے وار کے لئے گول گول گھمانے لگا۔ اِدھر کورش پوری طرح تیار تھا۔ اس نے فیل گوش کے ہمراہ سیاہ سائے میدان میں دیکھ لئے تھے۔

کورش اکیلا نہیں تھا۔ فیل گوش کا پہلا وار اتنا پُراثر، بروقت اور زبردست تھا کہ اگر کوئی اور ہوتا تو سر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ فیل گوش کی آنکھوں میں خوف کا سایہ آیا جو کورش نے دیکھ لیا مگر تماش بین دیکھنے سے قاصر تھے۔ سمجھ دار لوگ ضرور دیکھ رہے تھے کہ کورش سینہ تانے تنہا کھڑا ہے اور فیل گوش بے شرمی سے زنجیر میں لگے کانٹے دار گولے سے حملہ آور ہے۔

فیل گوش نے اس مرتبہ گولا سر پر مارنے کی بجائے ہوا میں گھماتے ہوئے کورش کے بازو پر مارنا چاہا لیکن اس کی پھرتی کی وجہ سے وار خالی گیا البتہ گُرز پر لگے کانٹے جسم سے مَس ہوتے ہوئے گزر گئے۔

فیل گوش کا دوسرا حملہ خالی گیا تو غصے میں شدت آئی۔ زنجیر میں لگے کانٹے دار گولے کو زمین پر پھینکا، دوڑ کر گاڑی سے تلوار لایا اور کورش پر تابڑ توڑ حملے کیے لیکن ہر وار خالی گیا۔ کورش کی عقاب کی مانند نگاہیں فیل گوش کے ہاتھوں اور پیروں کی حرکت پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ کمزور لمحے کا منتظر تھا جو ذرا دیر میں میسر آ گیا۔ اُس نے پھرتی سے فیل گوش کو پرے دھکیلا تو وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ اس سے پہلے کہ زمین پر گرتا، کورش نے گرنے سے پہلے جس ہاتھ میں تلوار تھی، اس پر بھرپور گھونسا مارا۔ تلوار دور جا گری جو کورش نے لپک کر اٹھالی۔ تماش بین دم بخود تھے۔ مدائن کے امرا کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ سب کا خیال تھا کہ کورش تلوار سے فیل گوش کا سر قلم کر دے گا مگر اس نے خلافِ توقع تلوار دور پھینک دی۔ فیل گوش کو کھڑے ہونے کا

موقع مل گیا۔ تلوار پہنچ سے دور تھی۔ نظریں زنجیر پر تھیں لیکن اندازہ نہیں تھا کہ سامنے وہ نوجوان ہے جس کی رگوں میں ذہانت، شجاعت اور سپاہ گری خون بن کر دوڑتی ہیں۔

کورش نے وقت ضائع کئے بغیر زنجیر اٹھا کر گولے کو گھمانا شروع کر دیا۔ مجمع دم بخود تھا کہ اب تو فیل گوش گیا مگر یہ کیا، کورش نے گولے کو بھی دور پھینک دیا اور دوڑ کر فیل گوش کی بگّھی کو لات ماری۔ نتیجے میں گھوڑا بِدک کر دوڑ گیا۔ گاڑی میں موجود دوسرے ہتھیار فیل گوش کی پہنچ سے دور ہوگئے۔ اب وہ ہتھیاروں کے بغیر بہادر نوجوان کے سامنے کھڑا تھا۔ طاقت کا اصل امتحان اب ہونا تھا۔

کورش نے زور آزمائی کے لئے دونوں مٹّھیاں کھول کر فیل گوش کی طرف کر دیں جو اعتماد کھو چکا تھا اور پیچھے ہٹنے کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ دونوں اپنے پنجے پھنسا کر زور آزمائی کرنے لگے۔ فیل گوش ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا، چہرہ سرخ تھا جب کہ کورش کی حالت بہتر تھی۔ وہ منتظر تھا کہ فیل گوش کوئی داؤ پیچ لڑائے مگر پنجوں میں ہونے والی تکلیف سے وہ بے حال تھا۔ کورش اسے دھکیلتا ہوا میدان کے وسط میں لے آیا۔ وہ اپنے گرد غیر مرئی حرکات دیکھ رہا تھا۔ گمبھیر آواز میں بولا، فیل گوش! ان کو دور کر لے، یہ جتنا مجھ سے قریب ہوں گے، موت اتنی تیرے قریب آئے گی۔

وہ تکلیف سے بے حال گھٹی ہوئی آواز میں بولا، یہ تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

کورش نے، جو اب تک محض دفاعی پوزیشن پر تھا، پوری قوت سے اچھل کر دونوں ہاتھوں سے فیل گوش کے ہاتھوں کو نیچے کی جانب جھٹکا دیا۔ نتیجے میں فیل گوش جھکتا چلا گیا۔ اب کورش نے اپنے سیدھے گھٹنے کو اس کی ٹھوڑی پر اوپر کی جانب اس قوت سے مارا کہ اس کا نچلا جبڑا ٹوٹ گیا۔ گھٹنے کے وار سے جب سر اوپر اٹھا تو کورش ایک مرتبہ پھر اچھلا، اس بار سیدھے ہاتھ کی کہنی کا نشانہ دشمن کا سر تھا۔ کہنی سر سے کیا ٹکرائی، سر ٹماٹر کی طرح پچک گیا اور وہ ٹوٹے ہوئے شہتیر کی مانند زمیں بوس ہوگیا۔ گویا تڑپنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

مرنے سے پہلے فیل گوش جو جنتر منتر پڑھ رہا تھا، وہ رکے تو ہمزاد بھی فرار ہوگئے۔ مثقال

فیل گوش کا کام تمام ہوگیا۔

مجمع میں دونوں طرف سناٹا تھا۔ مدائن کے امرا اور وزرا کے چہرے سفید اور جسم میں جیسے جان نہیں تھی۔ وہ سکتے کے عالم میں فیل گوش کے زمیں بوس ہونے سے میدان میں اڑنے والی گرد دیکھ رہے تھے۔

یکایک انشان کی طرف سے ڈھول تاشوں کا شور بلند ہوا جن کی تھاپ سے انشان کے عوام نشستوں سے اٹھے اور فتح کا نعرہ لگایا۔ وہ والہانہ انداز میں فتح کا جشن منا رہے تھے اور بہادری کے گیت گا رہے تھے۔ مخالفین پر صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی جب کہ انشان کے لوگوں کی قسمت بدل گئی تھی۔

لیڈیا، بابل اور مصر کے بااثر لوگ گہری سوچ میں گم تھے۔ وہ فتح کے آئینے میں آئندہ دنیا کا نقشہ دیکھ رہے تھے۔ میدانِ جنگ میں اٹھنے والی گرد بیٹھ گئی تھی۔ منظر واضح تھا۔۔۔ اس میدان کا فاتح وہ نوجوان تھا جو ہتھیاروں کے خوف سے بے خوف ذہن کی قوت سے مخالفین کو زیر کرنے کا قائل تھا۔

کورش اسے مارنے کی بجائے، زیر کرنا چاہتا تھا اور یہ سب محض جسمانی طاقت کے ذریعے ہوتا مگر جب فیل گوش نے اپنے سامنے دیو ہیکل نوجوان کو دیکھا تو جادو ٹونے پر اتر آیا اور یہ حرکت موت کا سبب بن گئی۔ مخالفین نہایت مایوس تھے جب کہ میدان تماش بینوں کے شور سے گونج رہا تھا۔ فیل گوش کی دہشت قصۂ پارینہ بن گئی تھی۔

"ہر کمالے را زوالے، ہر زوالے را کمال"

کورش محبت کرنے والا اور امن پسند انسان تھا۔ وہ کسی کی جان لینے کے درپے نہیں تھا۔ اسے فیل گوش کی موت کا افسوس تھا مگر اسے لڑنے کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔ وہ عام لوگوں کی طرح رہتا اور طاقت کے جا و بے جا استعمال سے گریز کرتا تھا لیکن جب مخالفین باز نہ آتے اور جان لینے کی کوشش کرتے تو دفاع میں ایک وار کافی ہوتا۔ کورش میدان میں رکا نہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ہاتھ بلند کئے۔ گرد بیٹھتے ہی آناً فاناً گھوڑی پر سوار ہوا اور ایڑ لگائی۔ مدائن کے درباریوں اور سپاہیوں کے لئے ایک فاتح کا اس طرح جانا حیران کن تھا۔ (قسط: ۱۵)

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

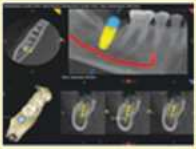

OPG

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

ONLINE COACHING

From class 9th to BSc

Tania Riaz

Qualification:
BSc in Double Maths & Physics

Experience:
6 Years of experience in Teaching

Subjects to Teach

- Mathematics
- Physics
- Computer

More Info

GMAIL
taniariaz551@gmail.com

Call us
+92 332 8875 840

A GREAT PLACE TO LEARN ONLINE

5th to Msc for all subject

- One paper preparation
- General Knowledge

Enrol Now

More Info

GMAIL
azka.info94@gmail.com

Call us :
+92 300 1208419

نفیسہ شاکر

بیوٹی پارلر

ماہرین کہتے ہیں کہ بالغ آدمی کی جِلد لگ بھگ 28 ہزار مربع انچ یا 22 مربع فٹ طویل ہے۔ جسم لمبائی میں ناپا جاتا ہے لیکن جِلد چاروں طرف ہے اس لئے پھیلاؤ اور طوالت زیادہ ہے۔

محاورہ مشہور ہے کہ اپنی کھال میں رہو یعنی حد سے تجاوز نہ کرو۔ اس محاورے کو لفظی طور پر سمجھا جائے تو آدمی کے لئے اپنی کھال میں رہنا مشکل ہے۔ ہم بستر جھاڑ کر سوتے ہیں اور صبح جاگنے کے بعد چادر پر پڑی سلوٹیں درست کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ بستر صاف ہے۔ تحقیق بتاتی ہے کہ صبح کے وقت بستر پر پڑی ہوئی گرد میں سب سے زیادہ ذرّات ہماری کھال کے ہوتے ہیں۔

سانپ کینچلی (کھال) بدلنے کے لئے مشہور ہے۔ اب تحقیق و تلاش نے تسلیم کیا ہے کہ نوعِ آدم کی جلِد بھی بدلتی ہے۔ سانپ کی کینچلی اترتی ہے تو آدمی کی کھال غیر محسوس طور سے ادھڑتی ہے یعنی ٹکڑوں میں جسم سے الگ ہوتی ہے اس لئے احساس نہیں ہوتا۔

کھال یعنی جِلد کو دیکھ کر لگتا ہے کہ جسم نے باریک چادر اوڑھی ہوئی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ آدمی کی کھال جسم کے 10 سے 15 فی صد وزن کے برابر ہے اور یہ جسم میں سب سے بھاری عضو ہے۔ لوگ کھال کو عضو شمار نہیں کرتے جب کہ یہ محیط عضو ہے جس نے جسم کی ظاہری ماہیت کو سمیٹا ہوا ہے۔

ماہرینِ امراضِ جِلد کہتے ہیں کہ جِلد کی تین بنیادی تہیں ہیں۔

① جِلد کے اوپری حصے epidermis کا کام جسم میں موجود پانی کو باہر آنے سے روکنا اور خارش پیدا کرنے والے اجسام سمیت فنجائی، بیکٹیریا، وائرس اور الرجی کو اندر داخل ہونے سے روکنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خارش جِلد کے

بیرونی حصے پر ہوتی ہے۔

عموماً وائرس اور بیکٹیریا ناک اور منہ کے ذریعے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ جب کورونا وائرس پھیلا تو لوگوں کو منع کیا گیا کہ چہرے کو ہاتھ نہ لگائیں، ہاتھوں پر موجود وائرس منہ یا ناک کے ذریعے جسم میں داخل ہو سکتا ہے۔

② دوسری سطح کو dermis کا نام دیا گیا ہے۔ اس حصے میں پسینے اور چکنائی کے گلینڈ، بالوں کے follicles جن کے ذریعے بال بڑھتے ہیں۔ جِلد کی اس سطح پر خون اور خس و خاشاک (کچرا) کی نالیاں ہیں۔

③ تیسری سطح hypodermis کہلاتی ہے۔ یہ چربی ہے۔ بعض ماہرین اس سطح کو جِلد تسلیم نہیں کرتے۔ یہ وہ سطح ہے جو ہڈیوں اور پٹھوں کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔

جِلد حیرت انگیز عضو ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ جِلد کا ایک انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ٹکڑا کاٹا جائے تو اس میں لگ بھگ 19 کروڑ خلیات، تین سو پسینے کے غدود اور 20 خون کی نالیاں موجود ہونے کے ساتھ ساتھ ہزار کے قریب عصبیات ہیں۔ ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بالغ آدمی کی جِلد لگ بھگ 28 ہزار مربع انچ یا 22 مربع فٹ طویل ہے۔ جسم لمبائی میں ناپا جاتا ہے لیکن جِلد چاروں طرف ہے اس لئے پھیلاؤ اور طوالت زیادہ ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے جِلد میں موجود خلیات، پسینے کے غدود، خون کی نالیوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جِلد باشعور مخلوق ہے۔ یہ پیدا ہوتی اور مرتی ہے۔ خوش ہوتی ہے اور خشکی کی حالت میں اس سے اداسی جھلکتی ہے۔ پرانی جِلد جھڑتی ہے اور نئی بنتی ہے۔ ماہرین نے قیاس کیا ہے کہ ایک منٹ میں جِلد کے تقریباً 30 ہزار خلیات ختم ہو کر نئے خلیات بنتے ہیں۔ گو ہمیں جِلد جھڑتی ہوئی نظر نہیں آتی مگر یہ ہر لمحہ فنا و بقا کے مرحلے سے گزرتی ہے۔ ایک مہینے میں کسی بھی فرد کی جِلد مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے البتہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ عمل سست ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے چہرے خشک نظر آتے ہیں۔ دن میں آٹھ گلاس پانی پینے، ورزش کرنے، خوش رہنے، اچھی اور خالص خوراک لینے سے جِلد ہر عمر میں تازہ رہتی ہے۔

① خوش اور ناخوش چہرے شمار کیجئے۔

② دونوں چہروں میں فرق لکھئے۔

③ آپ کا چہرہ کس درجہ بندی میں آتا ہے؟

اپنی تحقیق 10 جنوری 2025ء تک "ماہنامہ قلندر شعور" کو لکھ کر بھیج دیجئے۔

بال نرم و ملائم ہوتے ہیں مگر خوف میں جسم پر موجود بال (رونگٹے) سخت ہو جاتے ہیں۔ اسے انگریزی میں goose bumps کہتے ہیں۔ رونگٹے کھڑے ہونا جِلد کا حیرت انگیز عمل ہے جس میں دماغ کی طرف سے پیغام ملنے پر جسم میں سنسنی دوڑتی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ بال سخت ہو گئے یا اڑ گئے ہیں۔ جِلد میں جابجا بالوں کی جڑیں ہیں، ہر جڑ کے ساتھ ایک پٹھا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ جسم میں سمپیتھیٹک اعصابی نظام تیز ردِّعمل سے وابستہ حرکات کو کنٹرول کرتا ہے۔ یہ ضرورت کے مطابق اعضا کی حرکت کو تیز کرتا ہے مثلاً دل کی دھڑکن میں تیزی، پسینہ نکلنا وغیرہ۔ اسی طرح دوڑتے وقت ٹانگوں کو خون کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، یہ نظام دل کی دھڑکن کو تیز کر کے پیروں تک خون پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ ساتھ ساتھ پھیپھڑوں کی حرکت کو تیز کرتا ہے۔ نتیجے میں ہم جلدی جلدی سانس لیتے ہیں۔

خوف یا سردی میں سمپیتھیٹک اعصابی نظام بالوں کے نیچے موجود پٹھوں کو سخت ہونے کا اشارہ بھیجتا ہے جس کی وجہ سے جِلد پر موجود بالوں میں تناؤ آجاتا ہے۔ اسے رونگٹے کھڑے ہونا کہتے ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق آدمی کے جسم میں موجود خون کی نالیوں کو پھیلایا جائے تو گیارہ میل تک پھیل سکتی ہیں۔ ان نالیوں کے ذریعے غذا جِلد کے ہر خلیے تک پہنچتی ہے۔ ان کے توسط سے خلیات میں موجود کچرا نکلتا ہے۔ یہ نالیاں جِلد کا درجۂ حرارت برقرار رکھنے میں مددگار ہیں۔ درجۂ حرارت بڑھنے سے خون کی نالیاں پھیل کر حدت کو باہر نکالتی ہیں اور سردی میں سکڑ کر حرارت کو اندر روکتی ہیں۔

پسینے کا عمل بھی جسم کے حیرت انگیز نظام میں سے ہے۔ یہ ایک طرح سے اہم مدافعتی نظام ہے جس میں خرابی جان لیوا ہو سکتی ہے۔

جِلد کی دوسری سطح ڈرمس میں ایسے غدود پائے جاتے ہیں جہاں سے پانی جسم سے باہر آتا ہے جسے پسینہ کہتے ہیں۔ پسینہ باہر نکل کر جسم کو ٹھنڈا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ہیٹ اسٹروک

سے لاحق خطرے کی وجہ یہ ہے کہ پسینہ اس تیزی سے جِلد کو ٹھنڈا نہیں کرتا جتنی تیزی سے گرمی جسم کو نقصان پہنچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہیٹ اسٹروک میں کافی احتیاط بتائی جاتی ہے جس میں سب سے اہم پانی زیادہ پینا، سایہ دار جگہ پر رہنا یا چھتری کا استعمال ہے۔

پسینے کے غدود پورے جسم میں موجود ہیں مگر ان کی زیادہ تعداد پیشانی، بغل، ہتھیلی اور پیروں کے نچلے حصے کی جِلد پر ہے۔ پیر اور بغل جوتے یا کپڑے سے ڈھکے ہونے کی وجہ سے ان جگہوں پر پسینہ جمع ہو کر بدبو پیدا کرتا ہے۔ پسینہ زیادہ آنے کی دیگر وجوہات میں جسمانی مشقّت، چائے کافی پینا، مرچ مسالے اور خوف وغیرہ شامل ہیں۔

محققین کہتے ہیں کہ جِلد 24 گھنٹے کا حساب رکھتی ہے۔ دن میں جِلد فضائی آلودگی، سورج کی بالائے بنفشی شعاعوں سے جسم کی حفاظت اور اس جیسے دیگر کام انجام دیتی ہے۔ رات میں جِلد اپنی مرمت کا کام تیز کر دیتی ہے۔

جِلد کٹنے کی صورت میں مرمت کا عمل فوراً شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے زخم کی طرف خون کی فراہمی تیز ہوتی ہے جو زخم کو مختلف بیماری پیدا کرنے والے عوامل سے حفاظت کے لئے تہ بنانے کا کام کرتی ہے۔ ساتھ ساتھ نئے خلیات بننا شروع ہو جاتے ہیں۔

جِلد جسم کو جوڑ کر رکھنے والی پہلی حفاظتی سیڑھی ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے روز نہانا، گرمی سردی کی شدت سے بچانا ضروری ہے۔ جِلد فرد کے اندر کا حال بتاتی ہے۔ آدمی جو کچھ سوچتا، کھاتا پیتا اور کرتا ہے، سب کا خلاصہ جِلد پر ظاہر ہو جاتا ہے اس لئے صحت بخش چیزیں کھایئے اور خوش رہئے۔

نیم اور آم کے درخت چند فٹ کے فاصلے پر ہیں، بارش ان پر یکساں برستی ہے، کاشت کار ایک کنوئیں کے پانی سے سیراب کرتا ہے۔ زمین اور مٹی ایک ہے لیکن نیم کا پھل سخت کڑوا اور آم ذائقے اور مٹھاس میں بادشاہ ہے۔ نیم کے درخت اور پھل میں کیمیائی مادے اور رطوبات آم کے درخت سے مختلف ہیں۔ پتّے، قد کاٹھ اور شکل منفرد ہے۔ یکسانیت کے باوجود انفرادیت کی وجہ کیا ہے—؟

خورشید احمد

مفت بجلی

یہ اپنا دفاع سائینائڈ نامی مہلک زہر کی مدد سے کرتے ہیں جس کی وجہ سے محققین کا خیال ہے کہ ان کے جسم سے خارج ہونے والی سبز مائل نیلی روشنی خطرے کا اشارہ ہے۔

جب پاکستان میں آدمی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے اندھیرے میں بیٹھا ہوتا ہے، اس وقت چڑیا سے چھوٹے پرندے بیا کا گھر روشن ہوتا ہے۔ بیا ایک انچ کے قدرتی بلب جگنو کو پکڑ کر گھر میں رکھتا ہے تاکہ گھر روشن رہے۔

جگنو جیسے کئی جاندار ہیں جن کے جسم سے روشنی چمکتی ہے جسے حیاتی تنویر* کہتے ہیں۔ یہ ٹھنڈی نوعیت کی روشنی ہے۔ واضح رہے کہ گھروں میں استعمال ہونے والے پرانے بلبوں کو ہاتھ لگایا جائے تو یہ گرم ہوتے ہیں جب کہ جن جانداروں کے جسم سے روشنی ظاہر ہوتی ہے، ان میں حدت کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔ پرانے بلب یعنی کچھ سال پہلے تک بننے والے بلبوں میں روشنی کے لئے بجلی کے دو تاروں کے درمیان اسپرنگ* لگایا جاتا تھا جس میں سے کرنٹ گزرتا تو حدت خارج ہوکر روشنی کی شکل میں ظاہر ہوتی تھی۔ اب LCD اور اس کے بعد LED بلب آچکے ہیں جن میں ایسے پرزے لگے ہیں جو بہت زیادہ حدت خرچ کئے بغیر روشنی خارج کرتے ہیں۔ اس وجہ سے انہیں ٹھنڈی روشنی دینے والے بلب کہا جاتا ہے تاہم جانداروں کے جسم سے خارج ہونے والی چمک یا روشنی زیادہ ٹھنڈی ہے۔

نوعِ آدم کی لغت میں روشن اور چمکتے ہوئے جانداروں میں سب سے پہلے جگنو ہے۔ اس کی بعض اقسام ایسی ہیں جن کے انڈوں میں بھی ہلکی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ تین سے چار ہفتے بعد

---

* حیاتی تنویر (Bioluminescence) * اسپرنگ (کیمیائی دھات Tungsten سے بنا اسپرنگ نما تار)

انڈوں سے لاروا نکلتے ہیں۔ کچھ جگنو چار سے چھ ماہ اور بعض ایک سال سے زیادہ عرصے تک لاروا کی شکل میں رہتے ہیں، رات کے وقت شکار کرنے باہر آتے ہیں اور شکار کے جسم میں ایسے انزائم داخل کرتے ہیں جن سے حرکت کرنے کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ وہ پگھلنے لگتا ہے اور لاروا اسے کھا جاتا ہے یا پی لیتا ہے۔

جب لاروے کی مدتِ عمر تمام ہونے کو ہو یعنی وہ جسمانی طور پر زندگی کے اگلے مرحلے میں داخل ہونے والا ہو تو مٹی میں گڑھا کھود کر یا درخت کی شاخ پر الٹا لٹک جاتا ہے اور چند روز میں پیوپا کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پیوپا دس روز یا کئی ہفتے گزار کر جگنو کی شکل میں باہر آتا ہے۔

جگنو کی بعض اقسام ایسی ہیں جو پیوپا سے جگنو بننے کے بعد غذا لینا بہت کم کر دیتی ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہ جاتا ہے — انڈے دینا۔ اس کے بعد وہ مر جاتے ہیں۔

معمول کی طرح کھانے پینے والے جگنو دنیا کے بیشتر علاقوں میں پائے جاتے ہیں لیکن حیرت انگیز طور پر ان کی غذا کے بارے میں محققین حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکے کہ یہ کیا کھاتے اور کیسے کھاتے ہیں۔

جگنو روشنی کے ذریعے راستہ نہیں دیکھتے بلکہ یہ ان کے درمیان ایک طرح کی کوڈ لینگوئج ہے۔ نوعِ آدم کی طرح نر اور مادہ جگنو صنفِ مخالف کے لئے جذبات رکھتے ہیں۔ نر جگنو پسند کے اظہار کے لئے مخصوص روشنی خارج کرتا ہے۔ مادہ کو انداز پسند آئے تو مثبت جواب دیتی ہے ورنہ راہ بدل لیتی ہے۔ سمجھ لیجئے کہ نوعِ آدم میں مورس کوڈ* کی ایجاد سے ہزاروں لاکھوں سال پہلے یا جب سے زمین پر زندگی آباد ہے، جگنو اس کوڈ میں بات چیت کرنے کے طریقے سے واقف ہیں۔

جگنو کے بعد کن کھجورے کی طرف آتے ہیں۔ اس حشرے کو دیکھتے ہی گھر سے باہر پھینکنے یا مارنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کہیں کسی کے کان میں نہ گھس جائے۔ یہ خون چوسنے والا کیڑا ہے۔ کن کھجورے کی اپنی خصوصیات ہیں۔ اس کی ایک قسم موٹیکسیا بجلی بناتی ہے۔

ستمبر 2011ء میں شائع ہونے والی تحقیق کے مطابق کن کھجوروں کی روشنی کا مقصد شکاری

* مورس کوڈ (Morse code۔ ٹیلی گراف، ریڈیو، سیٹلائٹ یا روشنی کے ذریعے رابطہ)

جانداروں کو خطرے کا سگنل دینا ہے تاکہ وہ قریب نہ آئیں۔ محققین کہتے ہیں کہ موٹیکسیا کن کھجورے اندھے ہوتے ہیں لہٰذا جگنو کی طرح ایک دوسرے کو روشنی کے سگنل بھیج کر متوجہ نہیں کرتے۔

یہ اپنا دفاع سائینائڈ نامی مہلک زہر کی مدد سے کرتے ہیں جس کی وجہ سے محققین کا خیال ہے کہ ان کے جسم سے خارج ہونے والی سبز مائل نیلی روشنی خطرے کا اشارہ ہے۔

جیلی فش ایسا جاندار ہے جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس میں دماغ نہیں ہوتا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا پورا جسم دماغ کے میکانزم کی طرح کام کرتا ہے۔ خاص قسم کے دماغی خلیات جن کو نیوران کہا جاتا ہے، ان کے پورے جسم میں پائے جاتے ہیں۔ جیلی فش ان کی مدد سے دوسرے جانداروں کی موجودگی کو محسوس کرلیتی ہے بلکہ پانی کی حرارت میں کمی بیشی کا بھی احساس کرلیتی ہے۔ یہ پانی میں آگے پیچھے، اوپر نیچے آرام سے حرکت کرتے ہوئے روشنی کو محسوس کرتی ہیں۔

جیلی فش کے خاندان کی ایک فرد کنگھا جیلی (comb jelly) میں بجلی بنانے کی صلاحیت ہے۔ ان کے جسم سے نیلی یا سبز روشنی نکلتی ہے۔ جب یہ حرکت کرتی ہے تو بازوؤں کے ہلنے سے خارج ہونے والی روشنی قوسِ قزح کی طرح پھیل جاتی ہے۔

لمبی ڈنڈی کے آگے لوہے کا گول چھلّا ہے۔ اس سے ڈور گزار کر ڈنڈی کے آخری سرے پر کانٹے میں گوشت کا ٹکڑا باندھ کر مچھلی پکڑنے کے شوقین افراد مچھلیاں پکڑتے ہیں۔

سمندر کی گہرائی میں ایک مچھلی شکار کے لئے یہی طریقہ استعمال کرتی ہے۔ اس کا نام اینگلر فش ہے۔ اس کے سر کے اوپری حصے سے ڈنڈی جیسی ہڈی باہر کی طرف نکلتی ہے جس پر آگے کی طرف ایک بلب لگا ہوا ہے۔ اس میں بتی جلتی ہے۔ جب شکار روشنی کے فریب میں قریب آتا ہے تو اینگلر فش کا لقمہ بن جاتا ہے۔

کِرل — دنیا میں سب سے زیادہ کھایا جانے والا آبی جاندار ہے۔ تحقیق کے مطابق کرہ ارض

پر ایک سال میں تقریباً 35 کروڑ ٹن* گوشت کھایا جاتا ہے جو ساڑھے نو لاکھ کلو یومیہ بنتا ہے۔

نیلی وہیل* دنیا کا سب سے بڑا جانور ہے۔ اس کی پسندیدہ غذا کِرل ہے۔ ایک سروے کے مطابق امریکی ریاست الاسکا کے پانیوں میں نیلی وہیل کی تعداد 21 ہزار سے زیادہ ہے۔

محقق کہتے ہیں کہ نیلی وہیل ایک دن میں 16 ہزار کلو گرام کِرل کھاتی ہے۔ اس حساب سے الاسکا کی نیلی وہیل ایک دن میں تین لاکھ 36 ہزار کلو گرام کِرل کھالیتی ہیں۔

کِرل رات میں بھی نظر آتے ہیں کیوں کہ یہ بجلی بناتے ہیں۔ ان کے جسم سے خاص روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک کِرل دو سے ڈھائی انچ کے برابر ہوتا ہے اور جتنی بڑی تعداد میں یہ پیدا ہوتے ہیں، اس وجہ سے یہ جہاں جاتے ہیں، وہاں کے پانی کو روشن کردیتے ہیں۔

ہمیں برقی آلات چارج کرنے کے لئے بجلی خریدنی پڑتی ہے جب کہ سمندروں میں ہماری شماریات سے زیادہ روشن کِرل موجود ہیں۔

سمندر کی گہرائی میں رہائش پذیر لالٹین مچھلی اپنے نام کی طرح روشن ہے۔ اس کی ڈھائی سو سے زیادہ اقسام ہیں۔ بعض لالٹین مچھلیاں دن میں تقریباً ہزار فٹ کی گہرائی میں چلی جاتی ہیں مگر رات کو سطح پر نظر آتی ہیں۔ لالٹین فش کی تمام اقسام سطح پر ظاہر نہیں ہوتیں۔ یہ ایک سے چھ انچ لمبی ہوتی ہے۔ ان کے سر اور دُم کے پاس سے روشنی خارج ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کی لالٹین مچھلیاں حالات کے مطابق منفرد رنگ اور پیٹرن کی روشنی خارج کر کے بات چیت اور پسند ناپسند کا اظہار کرتی ہیں۔

اسکوئڈ یا قیرماہی سمندری جاندار ہیں جن کے آٹھ بازو، ہاتھ نما دو لمبے اعضا اور بڑی بڑی دو آنکھیں ہیں۔ دنیا کے کئی علاقوں میں لوگ اسے کھاتے ہیں۔ پاکستان میں زیادہ تر مچھلیوں کے چارے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

ان کی ایک قسم باب ٹیل اسکوئڈ سمندر کی ریت میں چھپے ہوتے ہیں اور شکار کے قریب آتے ہی حملہ کر دیتے ہیں۔ عام طور پر رات کو باہر آتے ہیں اور پانی کی سطح تک جاتے ہیں۔ حیرت انگیز میکانزم کے تحت ان کے جسم سے

* ٹن (ایک ٹن ہزار کلو گرام کے برابر ہے۔) * نیلی وہیل (98 فٹ لمبی اور تقریباً 150 ٹن وزنی ہوتی ہے۔)

ایسی روشنی پھوٹتی ہے جو باہر سے پانی میں آنے والی روشنی سے مل کر قیر ماہی کا سایہ پانی میں اس طرح حل کرلیتی ہے کہ شکاریوں کو اس کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا۔ قیر ماہی خاص قسم کے بیکٹیریا کے ذریعے روشنی پیدا کرتے ہیں جو ان کی کھال میں رہتے ہیں۔ قیر ماہی اور بیکٹیریا کا ساتھ محققین کے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔

اللہ نے مخلوقات کو متحیر کردینے والی صفات عطا کی ہیں جن میں ایک بجلی بنانا ہے۔ آدمی خطیر رقم بجلی کی پیداوار پر خرچ کرتا ہے۔ خود کو منور کرنے یا بجلی بنانے کی صلاحیت رکھنے والی مخلوقات متوجہ کرتی ہیں کہ ہر مخلوق کرنٹ کے تحت حرکت میں ہے۔ آدمی اندر موجود کرنٹ کو استعمال کرنا سیکھ لے تو خود کو چاند، سورج، ستاروں اور ان مخلوقات کی طرح روشن کرسکتا ہے اور روشنی کو مختلف طریقوں سے استعمال میں لاسکتا ہے۔

محترم خواتین وحضرات! آپ نے "مفت بجلی" کے عنوان سے مضمون پڑھا۔ درخواست ہے کہ یہ مضمون اپنے بچوں سے پڑھوا کر سنئے یا خود پڑھ کر سنایئے۔ (ادارہ)

جیلی فش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا دل، دماغ، ہڈیاں اور آنکھیں نہیں ہوتیں، اس کے باوجود یہ شکار کرنا، راستہ ڈھونڈنا اور شکاری سے بچنے میں کامیاب ہوتی ہے۔

باطنی علوم کے ماہرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو آنکھ، کان، ناک، دماغ اور دیگر اعضا سے نوازا ہے۔ اعضا کی ساخت مختلف ہوسکتی ہے اور ہوتی ہے لیکن آنکھ، ناک، کان اور دماغ سب میں موجود ہیں۔ دماغ نہیں ہے تو جیلی فش خود اپنے آپ اور ماحول سے کس طرح مطابقت رکھتی ہے اور فیصلے کیسے کرتی ہے؟

جیلی فش لوگوں پر حملہ نہیں کرتی البتہ ساحل پر لوگ جیلی فش کے بہت قریب ہونے سے اس کے جسم سے ٹکراتے ہیں تو انہیں شدید جلن اور درد محسوس ہوتا ہے۔

ملک چین کے مشہور کھانوں میں سے ایک جیلی فش کی ڈش ہے۔ چین کے لوگ اسے ادویہ میں استعمال کرتے ہیں۔

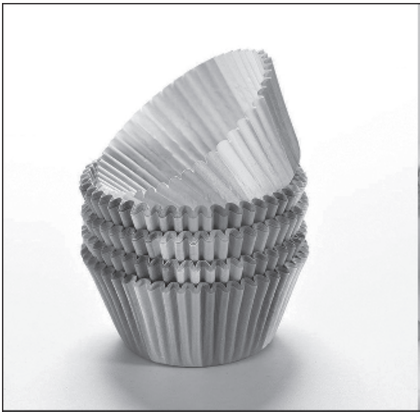

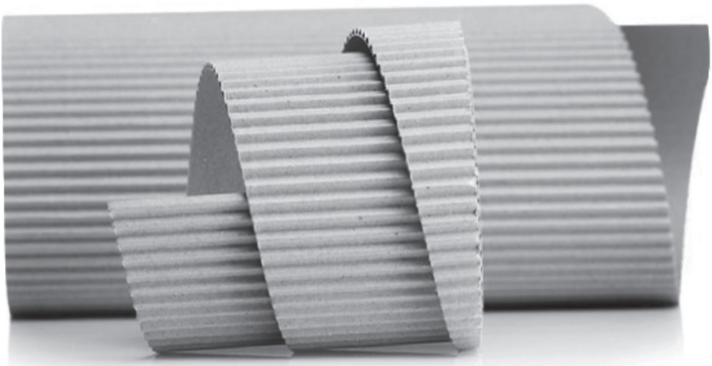

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

خواب تعبیر اور مشورہ

روحانیت

ردا عبداللہ، نیو جرسی (امریکا): خواب میں دیکھا کہ ایک عزیزہ مجھے ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ سے ملاقات کے لئے لے جارہی ہیں۔

تعبیر: خواب ایک بھرپور علم ہے۔ جیسے بتایا جاتا ہے کہ خواب کے دو رخ اور دو روپ ہیں۔ ایک رویائے صادقہ، دوسرا رویائے کاذبہ۔ آپ نے جو خواب لکھا ہے، اس میں روحانیت میں دلچسپی کا انکشاف ہوتا ہے۔

دو قسمیں

ص، کراچی: ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ وہ شفیق لہجے میں کوئی بات سمجھا رہے ہیں ۔ انہوں نے میرے مرشد کے بارے میں پوچھا کہ کون ہیں تو میں خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا، کیا انتقال کرگئے؟ عرض کرتا ہوں، میرے مرشد "مرجاؤ، مرنے سے پہلے" کے قانون سے واقف ہیں۔ میں نے عرض کیا، 25 سال پہلے آپ سے بیعت کی تھی۔ انہوں نے پوچھا، کیا آپ کو بیعت ہونے کا یقین نہیں—؟ میں سمجھا کہ یہ مشاہدے کے بارے میں سوال ہے۔ انہوں نے کسی تقریب میں آنے کی دعوت دی جہاں داخلے کے لئے کارڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی صاحب کا نام لے کر فرمایا کہ ان سے کارڈ مل جائے گا۔ منظر بدلا۔ کچھ لوگوں کے ہمراہ بزرگ تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر تعظیم میں کھڑے ہونے کی کوشش کرتا ہوں مگر محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پیروں میں جان نہیں ہے۔ بمشکل کھڑا ہوا تو بزرگ نے مالش کا طریقہ بتایا کہ اس طرح مالش کرو تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔

تعبیر: خواب کی قسمیں ہیں۔ ہر شخص خواب دیکھتا ہے، حیوانات بھی خواب دیکھتے ہیں۔ کچھ جانور ایسے ہیں جب وہ خواب میں آسمان میں

اڑتی ہوئی بلائیں دیکھتے ہیں تو پھر وہ روتے ہیں۔ رونے کی آوازیں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ آدمی غیر ارادی طور پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ آدمی خواب دیکھتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ میں بیمار ہوں۔

دوست بھائی! اب خواب کے بارے میں حقائق سنئے ۔ خواب سمندر کی طرح ایک علم ہے۔ سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں۔ یہ سمندر کی اندرونی کیفیات ہیں۔ اسی طرح خواب ہر ذی روح دیکھتا ہے۔ آدمی کی طرح درخت باتیں کرتے ہیں اور سننے والے سنتے ہیں۔ ہر ذی روح، اس میں پرندے بھی شامل ہیں، اپنے بچوں سے بات کرتے ہیں اور ان کے خیالات کو سمجھتے ہیں۔ زندگی دو رخ پر قائم ہے۔ ایسے خیالات جن کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا اور ایسے خیالات جن کے اندر معنی و مفہوم ہوتا ہے اور وہ مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے خواب ہر ذی روح دیکھتا ہے۔

جو خواب الوژن پر مبنی ہوتے ہیں، انہیں رویائے کاذبہ کہا جاتا ہے اور جو خواب مستقبل سے متعلق ہوتے ہیں یا آنے والے خیالات کے بارے میں اشارہ کرتے ہیں اور قدرت کے امور کا انکشاف کرتے ہیں، ان کو رویائے صادقہ کہتے ہیں۔

آدمی زیادہ تر وہ خواب دیکھتا ہے جو اس کی زندگی کے معمولات ہوتے ہیں، یہ رویائے کاذبہ ہے۔ آدمی وہ خواب دیکھتا ہے جو مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ خواب ایک مکمل علم ہے۔ اللہ کی کتاب میں اس کا وضاحت کے ساتھ بیان ہے جیسے حضرت یوسفؑ کا خواب۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ آپ کے خیالات کی عکاسی ہے۔ اس کے معنی یہ نکلتے ہیں کہ دنیاوی خیالات کی گہرائی کی وجہ سے آپ نے ان خیالات کو مختلف طریقوں سے دیکھ لیا ہے۔

مخفی اشارات

طلٰحہ، اسلام آباد: کسی شخص نے میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہا، میں تم پر جادو کروں گا۔ سوچتا ہوں کہ میں تو آیۃ الکرسی پڑھ کر سوتا ہوں۔ جیسے ہی اس نے میرے دل کی طرف ہاتھ بڑھایا، میں نے آیۃ الکرسی کا ورد کیا۔

تعبیر: خواب کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ کچھ خواب دماغ میں موجود خیالات اور مصروفیات

کا عکس ہوتے ہیں۔ بعض خواب معدے کی کمزوری کی وجہ سے گیسوں کے نقشے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ آدمی اسے خواب دیکھنا کہتا ہے، یہ خواب نہیں، منفی خیالات کی فلم ہوتی ہے۔

خواب رویائے کاذبہ بھی ہوتے ہیں اور خواب رویائے صادقہ بھی ہوتے ہیں۔ رویائے کاذبہ الوژن (فریبِ نظر) ہیں۔ رویائے صادقہ سچے خواب ہیں جن کے معانی اور مفہوم اس لئے خواب دیکھنے والے پر ظاہر نہیں ہوتے کہ خواب ایک دنیا ہے جو مخفی اشارات پر قائم ہے۔ سچے خواب اکثر پیش گوئی پر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

لٹریچر

سمیرا سمیع، کراچی: سیڑھیاں چڑھ رہی ہوں جو بڑی تعداد میں ہیں۔ سفید نیلے آسمان کی خوب صورتی اپنی مثال آپ ہے۔

تعبیر: خواب دیکھنے والی خاتون نے جو لٹریچر پڑھا ہے، اس کے نقوش ذہن کی اسکرین پر واضح ہو گئے ہیں اور وہ خواب میں نظر آئے۔

خالی سیٹ

بی بی روفیدہ، دبئی: گاڑی میں ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوں اور گاڑی چل رہی ہے۔ گاڑی چلانے والے کو دیکھنے کے لئے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف دیکھا تو وہ خالی تھی۔ گاڑی کے چلنے میں کوئی رکاوٹ یا دشواری پیش نہیں آئی۔ بے ساختہ کہا کہ گاڑی ڈرائیور کے بغیر چل رہی ہے۔ باجی نے کہا، یہ آٹومیٹک گاڑی ہے۔ کچھ وقفے کے بعد جب ڈرائیونگ سیٹ پر نظر گئی تو دیکھا کہ گاڑی بھانجی چلا رہی ہے۔

تعبیر: اکثر خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں اِدھر اُدھر کے خیالات مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جب آدمی کی دلچسپی کسی عنوان، کسی منظر یا کوئی عادت اچھی ہو یا بری —اس میں ذہن مرکوز ہو جاتا ہے تو اس قسم کے خواب نظر آتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ دماغ میں موجود خیالات فلم بن گئے۔

پیپر پن

ع۔ م، ترکی: دیکھا کہ بچپن والے گھر میں سو رہا ہوں۔ خواب میں ہی نیند سے جاگنے پر ایک بزرگ کو سامنے موجود دیکھا۔ دایاں ہاتھ اپنے منہ میں لے گیا اور منہ میں موجود پیپر پنیں نکال کر سامنے رکھ دیں۔ پھر خواب میں ہی سو گیا اور دوبارہ اٹھا تو وہی عمل دوبارہ پیش

آیا۔ اس بار بایاں ہاتھ منہ میں لے گیا اور منہ میں موجود پیپر پنیں نکال کر باہر رکھیں۔ یہ منظر دوبارہ دیکھا۔

تعبیر: خواب کے اجزا ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کے اندر غیر مناسب عادت ہے۔ آپ اختیاری اور غیر اختیاری اس پر عمل کرتے ہیں۔ آپ خود غور کیجئے کہ وہ عادت کیا ہے؟ تعبیر آپ کے سامنے آجائے گی۔

کارِ خیر

نوید، کراچی: پودے پھولوں سے بھرے اور پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ کچھ پھل کچے اور کچھ پکے ہیں۔ باغ کو رنگین دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ درختوں کی ڈالیوں پر پرندے جھول رہے تھے۔ میں نے ایک پھل کھایا اور بیج مٹھی میں رکھ لیا۔ خیال آیا کہ بیج کی جگہ زمین ہے۔ بیج زمین میں جاتا ہے تو درخت بن جاتا ہے۔ بیج مٹی میں بو دیا۔

تعبیر: انشاء اللہ شجر کاری کے عمل سے اعمال نامے میں یہاں وہاں خیر ہے۔ شجر کاری کا شوق اعلیٰ ذوق ہے۔ گھر اور اطراف میں شجر کاری سے ہر مخلوق کو فائدہ ہوتا ہے اور — مخلوقات کو فائدہ پہنچانا کارِ خیر ہے۔

انتظار

یاور، ایبٹ آباد: مرحومہ والدہ کو صحت مند دیکھا۔ انہوں نے کہا، بزرگ سے ملنے چلتے ہیں۔ یہ کہتے ہی سفر کے لئے وسائل کا انتظام ہوا۔ وہاں پہنچنے کے بعد ملاقات کا وقت آیا تو والدہ انتظار میں سو چکی تھیں۔ جب وہ حیات تھیں تو بزرگ سے ملاقات کا بے حد شوق تھا لیکن ضعیفی کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔

تعبیر: قبرستان جاکر السلام علیکم یا اہل القبور! کہئے۔ ماں جی کی قبر کے پاس سلام کر کے ادب سے بیٹھئے۔ یکسو ذہن کے ساتھ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھئے اور پھر چاروں قل پڑھئے۔ ماں جی کی طرف سے سرورِ کائنات خاتم النبیین حضرت محمدؐ کو ایصالِ ثواب کیجئے اور ماں جی کو مجھ عاجز بندے کا سلام عرض کیجئے۔ مرحوم رشتہ داروں کی قبر پر جانا چاہئے اور ایصالِ ثواب کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

ڈر لگتا ہے

روبینہ ندیم، مریدکے: خواب میں خوفناک شکلیں نظر آتی ہیں۔ جانتی ہوں کہ یہ میرا وہم

ہے پھر بھی خوفزدہ ہوں۔ ایک دفعہ دیکھا کہ گھر والے موجود تھے پھر نہ جانے کہاں چلے گئے، گھر خالی تھا۔ میں ڈر گئی۔ گھر کا مرکزی دروازہ بند کر کے باہر کی طرف دوڑی لیکن وہ (دروازہ) خود بخود کھل گیا۔

تعبیر: ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جن میں الوژن (فریبِ نظر) زیادہ ہوتا ہے۔ فکر مندی اور پریشانی ہوتی ہے۔ آدمی مقداروں پر قائم ہے۔ خواب دیکھنے والی خاتون کے خون میں نمک کی زیادتی ہے۔ کھانوں میں نمکین چیزیں کم سے کم کر دیجئے۔ رات کو سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد ایک ایک چمچہ خالص شہد کھائیے۔ اچھے معیار کی کھجوروں کا استعمال بھی مفید ہے۔

احتیاط

ثمرینہ ہاشمی، کراچی: سفید لباس میں کوئی صاحب قالین پر بیٹھے ہیں اور لکھنے میں مصروف ہیں۔ دوسرے کمرے کی طرف بڑھتی ہوں تو وہاں کسی کو گرد اڑانے سے منع کرتی ہوں۔ پھر دیکھا کہ کسی سے بھاؤ تاؤ کر رہی ہوں۔ کچھ پھل خشک ہو رہے تھے۔ ٹھیلے والے کے پاس

ماہنامہ قلندر شعور جنوری 2025ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:.................................... والدہ صاحبہ کا نام: ....

پورا پتہ:..

ازدواجی حیثیت:.................. وزن (تقریباً): .... آنکھوں کا رنگ ....

نیند کیسی آتی ہے:.................. بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):.................. تاریخ پیدائش:..................

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.................. فون نمبر..................

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : ....

....

زیادہ قیمت کے پھل رکھے تھے۔

تعبیر: خواب بیماریوں سے متعلق ہے۔ آپ کا ہاضمہ ٹھیک نہیں ہے۔ کھانے پینے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ مرچ مسالوں اور بازار کے کھانوں سے گریز کیجئے۔ کم از کم آٹھ گلاس پانی روزانہ پینا چاہئے۔ یرقان کا ٹیسٹ کرائیے۔

نقصان دہ عمل

رضوان طارق، فیصل آباد: گھر کے راستے میں پتّوں سے خالی درخت پھلوں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ حیران ہوا کہ درخت پر سے پتّے غائب ہیں اور بے موسم کے پھل لگے ہیں۔ میں نے یہ درخت ہمیشہ پتّوں سے بھرا ہوا دیکھا ہے۔ پھل توڑنے کے لئے درخت کی طرف بڑھا۔ جو پھل ہاتھ میں آیا، وہ آدھا گلا ہوا تھا۔ میں نے صاف حصہ کھالیا۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ نے حلال رزق کو پسند فرمایا ہے۔ آپ سے روزی کے معاملے میں ہیر پھیر ہوتی ہے۔ یہ نقصان دہ عمل ہے اور نتیجہ عمل کے عین مطابق ہے۔ حلال رزق سے گھر میں برکت ہوتی ہے۔

انسان —؟

پیار، نفرت، بھوک پیاس، غمگین اور خوش ہونے کے تقاضے — اگر تقاضوں کا نام آدمی ہے تو ہاتھی اور زمین پر رینگنے والا ہر کیڑا تقاضوں سے مرکب ہے۔ جس طرح انسان زندگی اور موت میں جکڑا ہوا ہے اور اس کی بقا کے لئے نسل در نسل اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ اسی طرح گائے، بھینس، بیل، اونٹ، پرندے، بیکٹیریا، وائرس بھی اولاد در اولاد قائم ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آدمی کی فضیلت اس بات میں ہے کہ اس کے بچے ہوتے ہیں، اسے بھوک لگتی ہے، آدمی بیمار ہوتا ہے، گھر بناتا ہے، آدمی کے اندر عقل ہے اور دوسرے حیوانات میں عقل نہیں ہے۔ جس طرح مخمور آنکھ ہرن ماں یا باپ ہے، اسی طرح پیلا، سفید، کالا اور سرخ رنگ آدمی بھی ماں باپ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کا تعارف دو طرح سے کرایا ہے۔ آدمی اور انسان۔ آدم کا تذکرہ ہوتا ہے تو ایک پھٹکی سے بنا ہوا آدمی بدبودار اور ناپاک سیال ہمیں نظر آتا ہے لیکن جب انسان کا تذکرہ ہوتا ہے تو انسان کائنات میں ہر مخلوق سے ممتاز ہے۔

beloved and yourself." That was a turning point in her life. She stopped attending to every call of war around her and had decided to walk inwards.

The memory nudged her to rush and reach out for a dry twig. Mustering courage, she held it close to the caterpillar, determined not to let another creature lose sight of their destination. The caterpillar tried to crawl away from the twig. In its eyes, the twig was just another oppressor, an unexpected threat. She did not give up on her attempts, but the more she tried, the more the caterpillar found ways to evade her.

More thoughts surfaced in her mind. She remembered how a spiritual mentor tirelessly tries to assist a spiritual student who is lost in the onslaught of tormenting times, offering them ways to get back on track. However, fixated on their fears and negativity, students refuse the helping hand sent their way and remain lost. They see the hand of help as yet another obstacle in their path.

Her heart recited a couplet, reminiscing the love for her beloved,

"Do not live blind in this dark world,

Open your eyes and seek the guiding light,

If you cannot find the light that saves your soul,

Hold tight to the hands that offer to take you to it."

She was determined to not let the caterpillar make the same mistake she had, which had cost her a few good years of spiritual advancement. Much to her amazement, just as she had learnt to clasp the hands of her beloved, the caterpillar finally learnt to hold on to the twig. She gently placed the twig and the clinging caterpillar between its favourite plants. She knew that every creature saved, would come at the cost of some other creation sacrificing its existence.

She looked at the plants that she had lovingly tended to and said, "Forgive me dear plant, I know I have saved a caterpillar at the cost of the health of your leaves. The little one will munch on you, scar you, and reduce you to half your size. But I am sure that nature will heal you, and tender leaves will sprout. God Almighty states about those who surrender themselves in service, 'And spend of that what We have provided you before death cometh unto one of you and he saith: My Lord! If only thou wouldst reprieve me for a little while, then I would give alms and be among the righteous.'"

Her eyes were moist, thinking of all those who had played their roles diligently to save her. While some played the role of oppressors, others were inspired to save her. In the end, it was all to vanquish her ego and return her to where she belonged. Her heart sang, "In all the highs and lows of life, I see your guiding light showing me the shortest and fastest way back to you."

She needed oxygen to breathe, and for that, she needed the assistance of trees. She needed water to quench her thirst, and for that, she sought help from the sun and clouds to create rain and fill the channels with pure drinking water. She thrived on eating fruits and vegetables, and they seemed to flourish due to pollinators. She knew she depended on the earth to bring forth everything that was hidden in its deep layers to help her live a comfortable life. The list was endless. Looking at her attire, footwear, spectacles, and jewellery, she realised how everything was a hand-me-down from some other creation that had sacrificed its existence for her comfort.

The caterpillar, unaware of its surroundings, moved forward, only to realise that it had to cross a section of the garden infested with ants. The ants, eager to devour a healthy caterpillar, began to attack it. Just when she thought that the caterpillar was moving into states of desperation, she saw it wriggle and shake its body to fend off the aggressors. This was the first time she has seen a worm fight off its predators. However, in the process of self-defence, the caterpillar lost its direction and started crawling in the direction that was opposite to its destination.

She was unsure about interfering with the process of nature. How could one decide what the best course of action was? Save the caterpillar or save the hungry ants? If the ants managed to dominate the caterpillar, their entire community would have a feast for the rest of the day. However, if the caterpillar managed to fend them off, it could go on to be a butterfly that serves a greater purpose in the bigger picture, she thought. But it did not really look like it was good news for the caterpillar. It was completely off track from its destination and was running the risk of being visible to the birds flying overhead, moving into zones where it would not find ample food.

A thought came to her, and she saw herself in place of the caterpillar. Memories flooded into her mind. A few years back, she had been determined to attain her spiritual destination and everything she did was directed towards cognising her beloved God, through understanding herself as the soul. But then life's circumstances, like the aggressive ants, had invaded her, and she had taken a detour to avoid the pain, losing sight of her destination in the process. She kept resisting the circumstances like a knight wading through a dense, dark forest, losing track of time. Her ego kept her busy in rebuilding its importance in the illusory world, and the flame that her mentor had ignited in her heart was flickering, and fighting to stay lit.

Lost in the battlefield, she had heard a guiding voice, "Your obsession with reclaiming illusion is closing the door inside your heart that leads to truth. Your entanglement with the illusions of this false world is becoming your infidelity. You are steadily increasing the rift between the heart of your

i

A Caterpillar's Journey

"Do not live blind in this dark world, open your eyes and seek the guiding light. If you cannot find the light that saves your soul, hold tight to the hands that offer to take you to it."

She almost stepped on a crawling caterpillar and jumped in fright. Her fear urged her to call out for help and have the worm removed from sight. But something about it warmed her heart. Perhaps she had connected with the butterfly hidden inside the encasement called a caterpillar.

It took her back to those days when she secretly hoped, someone would see her inner beauty hidden beneath the outer shell of an ageing woman. This yearning had been fulfilled when she had met her spiritual mentor a few years back. He had noticed nothing of her illusory existence, and had recognised her for everything that lay inside her; both her inner beauty and ugliness lay bare at his feet. He had shown great graciousness in embracing all of her just as she was.

The caterpillar crawled from the open end of the garden towards a densely planted section. Zooming in on the worm's features, she noticed tiny, fluffy spikes; additionally, dark lines divided its body into sections. She wondered where it was heading. To her surprise, the caterpillar seemed focused travelling in almost a straight line. The worm was oblivious of its existence in this vast world. Its focused approach towards its destination had freed it from locking its attention on everything around. Had it been distracted by the expansive garden and its challenges, it would have been dissuaded from crawling a single inch forward.

Looking in the direction that the caterpillar headed, she noticed that it was densely populated by a certain type of plant that caterpillars thrived on. How did the caterpillar know that the lush plants were in that part of the garden? As she wondered, she remembered a verse from the Holy Quran, and instantly sought forgiveness from God Almighty for her insolence.

"There is not an animal in the earth, nor a flying creature flying on two wings, but they are communities like you." (Quran, 6:38)

"It is ingrained in the egotistic approach of mankind to think they are the most valid creature in this universe and that all other creatures are less important for God Almighty to focus on," she whispered in shame. The caterpillar held as much importance as she did in the universal system of God. If there were no pollinators, there would be food scarcity in the world. Her delicate ego trembled, realising how vulnerable her own existence was.

i

Flask of Dust

Two spiritual students walked through a forest. They had set out on their long journey back home after a period of rigorous spiritual training. They had two hours remaining until they reached their village.

Tired, they looked for a place to relax and stretch their legs. Thirsty, they checked their flasks of clay, and found that they had emptied them. Hearing the sound of flowing water, they inspected their surroundings hoping to find its source. They walked through a dense rows of trees and finally arrived at a shallow stream. A pure spring flowed between the rocks and created an enchanting melody. The crystal clear water reflected the sunlight; it looked like a stream of shimmering light.

They sat down on the banks of the stream and drank to their fill. They could not help but exclaim in amazement as the water was extremely sweet. Not wanting their family to miss the taste of the sweet water, they filled their flasks of clay and sealed it.

Soon they were ready to continue their journey home. Once home, they eagerly poured out the water and offered it to their loved ones. To their surprise, every one of them spat it out; the water was bitter. “We do not understand!” the students exclaimed.

Their wise grandfather spoke, “Dust displayed as earth and submerged as the ocean bed across time, taking millions of forms over billions of years, finally to come into the seeker’s hand today as a flask of dust. Dust has the density of death my friend, the death of every form it was shaped into. The density of death infuses itself into the water the flask beholds. The water that you drink directly from the source, however, will forever remain the subtlest and the sweetest.”

Their family gathered around him as he continued, “This body, like the flask made of dust, will decay the sweetest water poured into it. Come! Let us set the sweet water free, and let it flow as sweet tears of yearning for the beloved.”

❁ ❁ ❁

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدّین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

v

mansions, establish factories, set up shops, and strive so much to make a living in this world that they forget about their life in the hereafter. As a result, they not only ruin their lives in this world but also jeopardise their outcomes in the next. They came into this world as 'good' and depart as 'bad'. The tender, innocent child transforms into a harsh and callous individual through the journey. This is the understanding I gained through my training over sixteen years.

By God's grace, you are all very wise. Though everyone is aware that we come into this world with nothing and go back with nothing, there is no one who believes this to be true with certainty. I spent 11,680 days and nights seeking to understand the purpose of life, and gain faith that one brings nothing with them to be born in this world, nor do they take back anything with them upon departure.

The days and nights I spent in close proximity with *Murshid-e-Kareem* over those 16 years created a pattern of certitude that mankind has no control over their birth, or existence. One is not even aware of where they will be born – whether in the home of a Sayyed, a Pathan, a Sheikh, or a menial labourer – or in countries like Japan, America, India or Pakistan. When one is unaware of where they will be birthed and in whose home it will be, the question of being in control does not arise.

The more one contemplates this, they arrive at the answer that no one holds control in any way once they are born. They are not even in control of the fact that they may enter into adolescence after their birth. Adolescence shuns those who die within one or two years of being born.

One dies in their adolescence, can die before reaching old age, or continue to live even after stepping into old age.

Readers! Read this line at least five times. With focus, look for meanings and essence within this article and share your insights with the editorial team.

Abdal-e-Haq Qalandar Baba Auliya (RA) says, "Mankind is foolish for they fear death, when in fact, death is their greatest protector."

While it is the duty of the angel of death to capture one's soul, it is also their duty to ensure that the soul is not taken before its appointed time. Death, which people dread, is mankind's greatest protector. Whether you fear death or not, the angel of death is obligated to refrain from taking you from this world if you still have a lifespan ahead of you. Conversely, if your time is up, you cannot stay in this world for even a second longer. This is a truth that cannot be denied by anyone.

consciousness developed the strength to endure it. At times I was in agony for not being able to eat, and at others due to my inability to dress or drift into sleep. The pressure of negative thoughts, the burden of doubts, moments of being overpowered by the Attributes of God, being trapped in the webs of satanic forces, trials and turbulations, sorrow and pain – this relentless cycle of agony and restlessness persisted for ten years.

Both happiness and sorrow run parallel throughout life; happiness cannot exist without sorrow, and sorrow cannot exist without happiness. However, during these ten years, there were hardly ten weeks of happiness. Everyone is aware that when one is in agony, they cannot fully express their pain during moments of happiness. There are no words to adequately convey the impact of the sorrow. When a person faces trials, their trials will end only when God Almighty decides to bring them to an end. While one may articulate their problems, the impact of the problem is limited to the person experiencing them. The struggle of my consciousness and subconsciousness continued for ten years. Through the mercy and grace of God, the association with the Last Prophet – Prophet Muhammad (PBUH) – and the attention and companionship of my *Murshid-e-Kareem*, Qalandar Baba Auliya (RA), my consciousness eventually ceased its resistance.

After ten years, my circumstances were as follows: I adhered to the instructions of my *Murshid-e-Kareem* without questioning them. No questions arose in my mind; it felt as if my mind was a still ocean. I understood things only to the extent that I was told. No meanings emerged in my mind nor did I grasp the essence of things. I did not understand the wisdom behind them either. When my *Murshid* mentioned a 'tree', I simply accepted it as a tree – I did not know nor ask what type of a tree he was referring to. This process of training gradually extended the ten-year period to a total of sixteen years. The first ten years were spent in suffering, while a few more years thereafter were spent trying to forget the agony I endured in those ten years.

During these sixteen years I came to understand that, wherever and whatever exists in these realms, originates from God Almighty. He is the First, the Last, the Manifested, and the Hidden. He encompasses everything. It is only by God's will that one is born; it is only when He wills that one grows into an adolescent, and it is only by His will that one departs from this world. One births, enters adulthood, steps into old age, and transits from this world – this summates the worldly life. One brings nothing with them at birth, nor do they take anything with them when they transition from this world. People build

iii

themselves completely to Him. On this path, they leave everything, be it black or white (good or bad) or whatever else it may be, entirely to God Almighty."

"Remember! The law of creation is that the innate qualities with which God Almighty has created you, are not based on self-reliance. Your essence is created to live a life of adherence (dependence). For this, however, it is important that you distance yourself from a way of life of independence and entrust yourself fully to God. Though you lack the ability to make someone yours, you do have the profound ability to belong to someone."

I gave this a thought, contemplated, and prayed to God, "O' God Almighty, release me from this independent life, and grant me a life of dependency."

Through the grace and mercy of God Almighty, and my faith in Him, I realised that when a *Murshid* is present, and it is determined that one must make their *Murshid* their everything, then one should surrender themselves in the same way a three-year-old child does.

I started pondering on how I did not even have the knowledge of what knowledge truly is. I was unaware from where I arrived, and where I was to go. I had no idea what life is; where each breath comes from and goes to. I did not know what fiction, illusion, or reality were? Nevertheless, I had decided that from that moment forward, I would not lead an independent life. I would only do as instructed; whether I understood my *Murshid's* orders or not, they would be followed.

The training process began, bringing forth insights that my consciousness refused to accept. This impacted my consciousness to such an extent, that though I was aware of the discomfort that I felt, I found it impossible to elaborate it in words. Often, my consciousness would resist, deeming certain things wrong. Amidst the resistance and war that was going on in my consciousness, there were times when I felt as if many tonnes of weight had been placed on my shoulders and that this unbearable weight upon me forced me to stop in my tracks. Somedays, the weight was so intense, especially when I was standing, that I would abruptly sit down. Despite mustering courage and making earnest attempts to stand, I would not be able to do so.

At other times, when *Murshid-e-Kareem* spoke about heavenly matters, my consciousness attempted to comprehend them through worldly senses. I could not share the details of the suffering that overpowered me, as there was no one with whom I could share those secrets with.

As the cycle of distress and anguish gradually intensified, my

dar Baba Auliya (RA) said, “The law is that when God Almighty wants to bestow something upon someone, He does not consider their capabilities or strengths, nor their capacity to work. God Almighty’s process is such that when He bestows something upon a person, their latent abilities are awakened and activated. If the person is mute, they begin to speak; if they are deaf, they begin to hear; if they lack abilities for ascension, they are granted wings; if they are unattractive, they appear appealing to the eyes of others; if they are ineloquent, God Almighty adds such sweetness and charm into their speech that listeners eagerly wait for them to speak. Their tone impacts both the inhabitants of this world and that of the heavens. People are drawn to listen to them even without their will. Their face radiates such luminosity and light that onlookers remain in awe, unable to comprehend what they are witnessing. In the matters of God Almighty, you must not think that you cannot fulfill the assigned tasks. Your task is simply to accept the duties assigned to you by Him without reservations, and walk His path.”

My *Murshid-e-Kareem*, Qalandar Baba Auliya (RA), trained me through his actions, conversations, wisdom, and companionship. The core of his training was that one must give up the centuries-old family traditions and live a life based on a spiritual thinking pattern – where everything one does, is solely for God. One’s actions should conform with the will of God, totally free from personal interference.

A war ensued, as my centuries old consciousness resisted accepting change and rebelled. The ongoing external and internal conflicts left me feeling drained and chaotic. As the resistance of my mind increased, my suffering surpassed unprecedented levels. However, when these feelings of suffering finally subsided, *Murshid-e-Kareem*, sat me down and explained, “There are two ways to live life, two approaches to becoming something in life, two methods of achieving things, and two ways of offering something to others.”

“The first approach is that one develops an ability to convince people to follow their direction, align them to their thinking, get them to bury the old, negative practices, and have the courage and strength to face the world while upholding and keeping the true and positive practices operational. The world refers to this method as being independent or self-reliant. It entails one persuading others to perform the tasks as per their vision, and also working towards moulding people to mirror them. The second approach is one of self-negation, where a person gives up being independent, and instead opts to be dependent on God Almighty, submitting

i

Every Spiritual Student is Not a Seeker

I spent 11,680 days and nights seeking to understand the purpose of life, and gain faith that one brings nothing with them to be born in this world, nor do they take back anything with them upon departure.

Read this article more than once so that it leaves a lasting impression upon your mind. This article guides a spiritual student on how to become a *salik* (seeker). A seeker is one whose heart is ignited by *Ishq* (love) and the teachings of their *Murshid* (spiritual mentor) reflects inside them.

When the foundation of *Silsila Azeemia* (Azeemia Sufi Order) was laid, the revered *Abdal-e-Haq* Qalandar Baba Auliya (RA) addressed me: "Khwaja Sahib, you have to spread the teachings of the *Silsila* (Sufi order) in this world and make it widely available."

This was said to me at a time when my mind was captivated by the idea that to head the *Silsila,* it is important for the selected person to be aware of the etiquette of wearing the turban of coronation and assuming the seat of succession. I thought that the head should be positioned in a high rank and surrounded by many followers, and that those who stood before him should keep their heads lowered, and those seated before him should never dare to look up at their *Murshid's* face. Furthermore, I thought that students had no claim over their *Murshid,* be it in public or in private. My thoughts were rooted in the idea that a mystical personality should serve as the head of the *Silsila*. It hadn't occurred to me that a *Murshid* is illuminated from within, because I had never heard of the fact that the true life of mankind is their inner life, and that their external life is a mere assumption and fictional.

I put forth my views before Qalandar Baba Auliya (RA): "Revered Sir, I am unable to even imagine what you have just mentioned. If it is important for a *Murshid* to be a skilled orator, then I do not know how to deliver a speech. If it is important for him to be able to write well, then I lack the skills of writing. If it is important for a *Murshid* to be more knowledgeable than others, then I haven't even completed the first grade of schooling. If it is important for a *Murshid* to have attained spiritual ascension, then I do not have that experience too. The environment in which I was born and nurtured did not introduce me to the concept of the soul. I am also ignorant of the fact that there is a spiritual body separate to the physical body."

When I presented my understanding in broken words, Qalan-

to His vicegerents when He wants to create something new in the universe, these special people of God define the patterns of fate and destiny, form and features, movements and pauses of existence, and present them in the court of God. In administrative terms, we could understand this as follows: God Almighty passes an ordinance, and His vicegerents create policies for the same. If God Almighty approves these policies, then countless other individuals who manage the administrative programmes, implement this system. In the programmes of *Takveen*, angels work alongside the vicegerents, however, they (angels) do not have any personal authority. By virtue of being the vicegerent of God Almighty, mankind rules the universe created by God. With the authority endowed by God, they manage the movements and pauses of the universe in an orderly manner and with fixed proportions. When God Almighty entrusted His deputation and vicegerency to mankind, He taught them all the secrets and mysteries pertaining to the structure, movements, pauses, and life within the universe, so that they can fulfil their duties of deputation and vicegerency."

God says in the Holy Quran,

"And He taught Adam all the names." (Quran 2:31)

• • ——————— • •

Respected ladies and gentlemen! Note down the secrets that moved your mind as you read the editorial 'Message of the Day' and send them to 'Qalandar Shaoor Monthly'.

May God protect you.

iii

① Creation without resources

② The commencement of movements

③ Sequence and self-awareness

④ The creations are dependent on the endowments of fate and destiny

Mankind has been bestowed with the knowledge of these four domains so that they can fulfil their duties as vicegerent of God and operate the administrative programmes. The clear difference between the knowledge that mankind has and the Knowledge bestowed by God is that, when *Insan* operates the system of *Takveen* through their status as vicegerent, they are dependent on resources, while in the case of God Almighty, when He wills, creations appear without the need for resources, and the sequence of fate and destiny are established.

The status that God Almighty has bestowed upon *Insan* is that they are the only individuals in the universe, who as vicegerents, can operate the universe created by Him and manage its administrative programmes, through His entrusted authority. Which means, God Almighty has bestowed the status of vicegerency upon *Insan*. It is the Attribute of Sovereignty that fulfils the requirements of vicegerency and deputation, and just as in worldly administration, there is an uncountable number of people that manage their respective domains. There are heads for the different domains of the universe too, and these domains are operative under their leadership.

I (Azeemi) was scribing the dictation on the book '*Loh-o-QaIam*', from *Abdal-e-Haq* Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), when I put forth a question to him, "When God Almighty bestowed the deputation and vicegerency to Adam (PBUH), how can mankind manage things in the universe created by Him? Also, if the universe was already existing, and the decisions on one's fate and destiny are pre-recorded, and the individuals in the universe are aware of the patterns of movements and pauses, what work does one do as a vicegerent?"

Abdal-e-Haq, Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) replied,

"The universe is consistently manifesting. In every instant and every moment, new planets form, and old planets explode. The people of God, who fulfil their responsibilities as vicegerents, oversee these matters. Their duty is that, when God Almighty assigns duties

also the first domain of universal governance. This implies that the existence of the universe came about without the need for resources.

God Almighty stated, "*Kun*! (Be)," and the universe came into existence. When various forms and features, movements and pauses became predominant in *Aalm-e-Moujudaat* (The Realm of Existence), and the different stages of life began to unfold, '*Khalq'*, the second domain of *Takveen,* came into existence. The third domain of *Takveen* is '*Tadbeer*', where all the actions and movements that take place in the lives of all existence, is arranged sequentially (time and space). The fourth domain is '*Tadalla*', that is, the fate and destiny of an individual which is compiled as per the administrative programme, is activated.

Summary

With the commencement of the first domain of *Takveen*, the entire universe came into existence, but the existence was without any resources. However, our observation is contrary to this. We notice that nothing exists without resources. When we reflect on the inventions, various creations, and new things that have spread across earth, we do not observe a single thing that is not dependent upon resources. However, the introduction to the Creator of the universe is that, He is not dependent on resources to create. Through God's will & authority, the resources transform themselves on their own, assume forms and features, and are manifested in the universe.

In the second domain, the individuals in the universe gained the knowledge that they had movements and pauses inside them and that every individual in the universe is bound to have form and features. The movements began in this second domain. When the universe came into existence without resources, there were no patterns of movements and pauses inside it, nor were the individuals in the universe self-aware. It was nothing but a state of wonder. When movements started in the second domain, a sequence ensued in the lives of those that existed, and they realised that they were with an individual identity. When the entire existence became aware of their individual identity, and that they have movements and pauses inside them, they also realised that their lives are bound to a circle in which they are dependent on the endowments of fate and destiny.

• • ———————— • •

The are four domains of *Takveen* (administration):

Message of the Day

God Almighty created this universe so that He may be cognised. For cognition to occur, it was important that there be someone who possesses awareness of the creative elements, various species of creations, and the knowledge of individuality. For the fulfilment of this, God taught *Insan** the administrative programmes of the universe. Since this knowledge is directly related to the Creator's creative formulae, the status of *Insan* became that of vicegerent to God.

When God Almighty appointed *Insan* as His deputy and vicegerent, it was self-evident that *Insan* had the rights to control every domain in the universe created by God, that is, in the light of *Ilm al-Asma* (Knowledge of the Divine Names), God delegated the ways of keeping the universe operational and established. In the Holy Quran, God Almighty refers to these rights of vicegerency as His entrustment.

When we discuss vicegerency, it is pertinent that we understand the fundamental status of this universe. The principles, rules, and formulae upon which this universe has been created; the rules, regulations, and proportions upon which the universe operates – the integrated programme of all these factors is termed '*Takveen*'. Just as they refer to the administrative sectors of any country, similarly, the system of the universe is called <u>*Takveen*</u>.

When we reflect upon the wisdom of *Takveen*, an inevitable topic comes forth for discussion: How did this universe come into existence?

Spiritual experts share that the formation of the universe comprises of four domains. When the first stage of the universe came into existence, resources did not play any role in it. This domain of the universe where individuals within it exist without any resources, is called '*Abda*'. This is not just the point of origin of the universe, but

---

**Insan: Those individuals who learn the knowledge of Ilm al-Asma (the Knowledge of Divine Attributes or Formulae of Creation) and fulfil their responsibilities as vicegerents.*

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	136
Every Spiritual Student is Not a Seeker	Chief Editor	132
Flask of Dust	Uzair Anees	126
A Caterpillar's Journey	Bibi Anuradha (UAE)	125

"God remains in service of His creatures. If you wish to be friends with God, then serve His creations."

— Book: Ahsan-o-Tasawwuf

Vol 12 Issue 12 | January 2025 | Rajab – Shabaan 1446AH

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor

Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.130/- Per issue. Annual subscription Rs.1944/- with Reg. Post (Domestic), US$ 75/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

DENTAL innovations CLINIC
Happy Smile
The secret of the Beautiful Smile
Whiter than White .....!!
Center of excellence for Braces & Dental implants
Aesthetic Dentistry
Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations
Restorative Dentistry
Root Canal Treatment, Crown & Bridge
Orthodontics
Fixed & Invisible Braces
General Dentistry
Extractions, Fillings, Dentures
Preventive Dentistry
Pit Fissure Sealants, Root Planing
Minor Oral Surgery
Impactions, Cyst, Apicoectomy
Pediatric Dentistry
Space Maintainers, Steel Crowns
DENTAL INNOVATIONS CLINIC
Mezzanine Floor AKU Lab 26th Street
BADAR Commercial Phase V, DHA, Karachi
dentalinnovations747@gmail.com | www.dentalinnovationsclinic.com
Dental Innovations Clinic
0300-8511747 | 021-37242559 | 021-35242559

TARKHANA HOMES
New Homes For Sale in Multan & Lahore
For More Details : +92 345 4121 910

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.

f: lavishdinerestaurant

Lavish Dine
Restaurant

www.lavishdinerestaurant.com

- Party up to 400 Persons
- Affordable Party Menus
- Buffet
- À la carte

Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

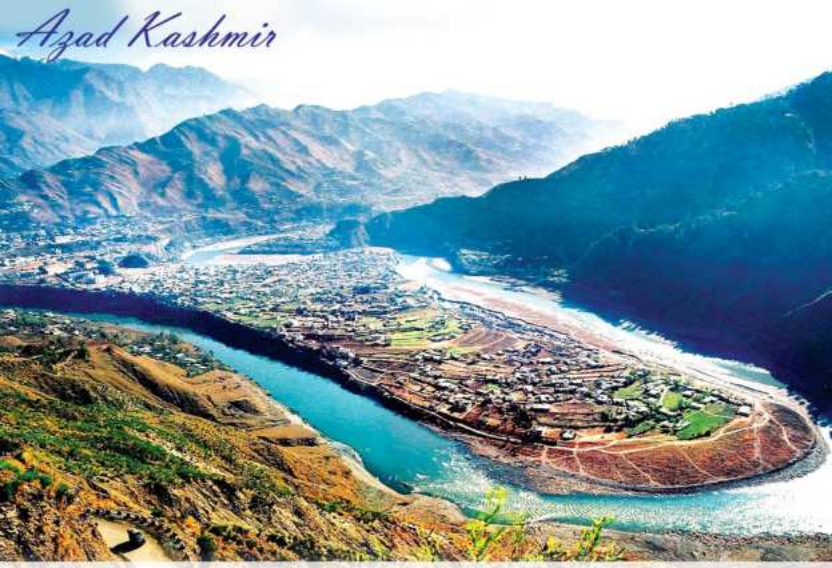

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

دنیا کے بڑے کاروباری مراکز میں سے ایک

دبئی میں اپنے کاروبار کا آغاز کیجئے

کمپنی رجسٹریشن سے ویزا حصول تک
تمام مراحل کی باسہولت اور تیز رفتار تکمیل کے لئے قابل اعتماد نام

اسٹور ویب ڈویلپمنٹ	ریسٹورنٹ	ای کامرس	ٹریول اینڈ ٹورازم
	ٹریڈنگ	آئی ٹی سروسز	
امپورٹ ایکسپورٹ	ہوٹل	کنسٹرکشن	ایمیزون آن لائن
	ٹرانسپورٹ	رئیل اسٹیٹ	

FREEZONE LICENSE PACKAGE
AED22500

PACKAGE INCLUDED

BUSINESS LICENSE | FLEXI DESK | INVESTOR VISA | EMIRATES ID | MEDICAL REPORT | E-CHANNEL PORTAL

ہر وہ کاروبار جو آپ کی ضرورت ہے!

RB
RED BERRY
CORPORATE SERVICES

1408, Opal Tower, Business Bay Dubai UAE
info@redberry.ae | +971 50 931 0752
www.redberry.ae | +971 56 336 9852

/BUSINESSINDUBAI.AE/ /company/redberryae /red_berry_corporate/

TOYOTA
the all new
TOYOTA YARIS
DYNAMIC FRONT BUMPER & GRILL
SLEEK DAY TIME RUNNING LIGHTS
STYLISH MACHINE FACE ALLOY RIMS
RETRACTABLE SIDE VIEW MIRRORS
LUXURIOUS BLACK INTERIOR
9" FLOATING DISPLAY WITH APPLE CARPLAY & ANDROID AUTO
SHARP REAR CAMERA
3 AIR BAGS
PUSH START
STARTING FROM
4,479,000
YARIS
Move your world
FOR BOOKING & DETAILS PLEASE CALL:
UAN: (022) 111 555 121 or 0348-111 9705
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
SITE, AUTO BHAN ROAD